بسم اللہ الرحمن الرحیم

جمعیتِ علمائے ارکان

تالیف:

محمد طاہر جمال ندوی

ناشر:
دارالبحوث والمناصرۃ الاسلامیۃ
چاٹگام، بنگلہ دیش
۲۴ / جولائی / ۲۰۱۹ء

کتاب : جمعیتِ علمائے ارکان۔
مؤلف : محمد طاہر جمال ندوی، فاضل دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، انڈیا۔
باراول : دسمبر: ۲۰۲۲ء
تعداد : ۱۰۰۰ (ایک ہزار)
قیمت : ۱۰۰/ ٹاکا، بنگلہ دیشی۔ ۳/ ریال سعودی
کمپوز : محمد طارق (اندرقلعہ، چاٹگام، بنگلا دیش)
ناشر : دارالبحوث والمناصرۃ الاسلامیۃ چاٹگام، بنگلا دیش
ملنے کے پتے : 0088-01533091784
EMAIL : tahernadwi@gmail.com

Arakan and its Neighbours
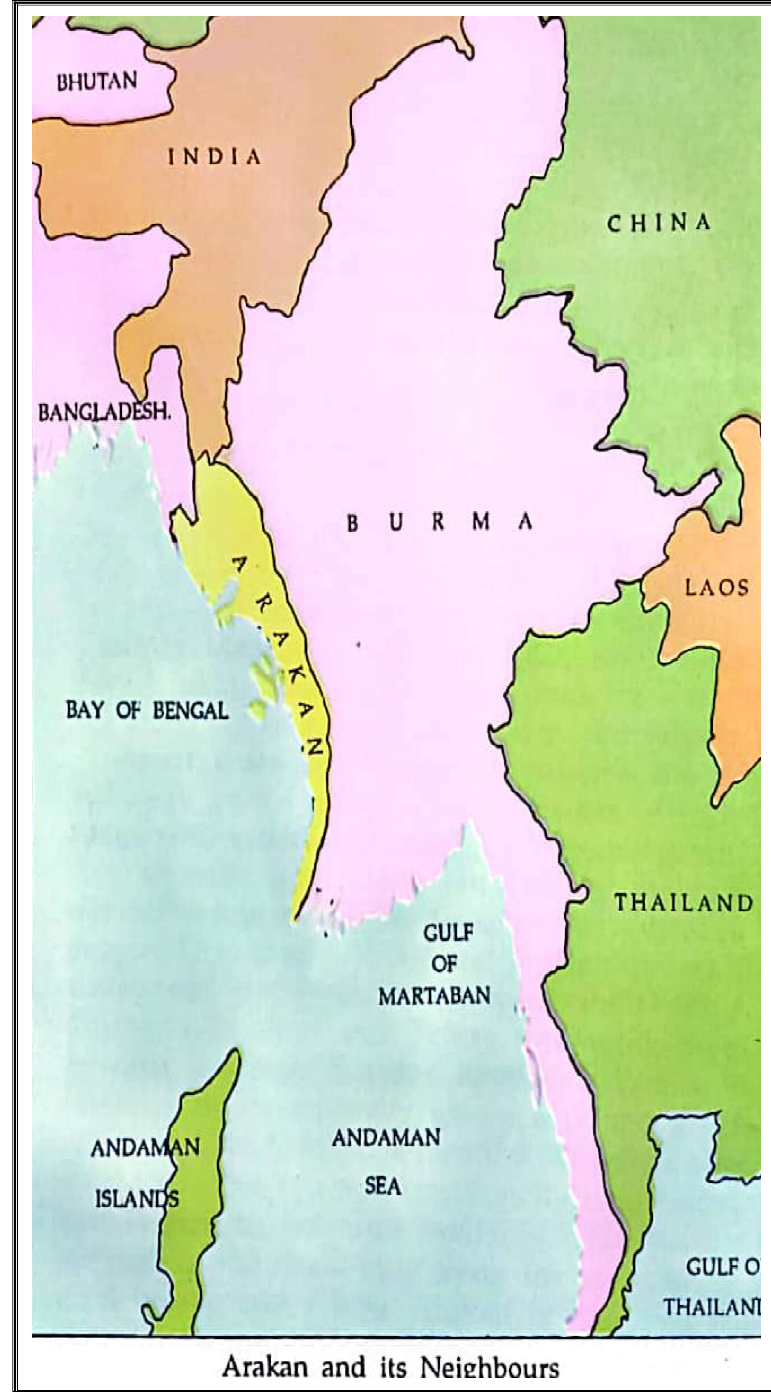
عرضِ ناشر:

الحمد لله و كفى و سلام على عباد ه الذين اصطفى ، و بعد

عرض ہے کہ زیرِنظر کاوش کے مصنف محترم حضرت مولانا محمد طاہر جمال ندوی ہمارے علمی اور فکری حلقوں میں کسی محتاج تعارف نہیں ہیں، ماضی میں مولانا کی چند تصانیف طبع ہوکر ماشاءاللہ منظرِ عام پر آئیں، اور آپ کی بہتوں تصانیف زیرِطبع اور زیرِنظر ہیں، اللہ تعالی کا کرم ہے کہ آج مولانا کی ایک زندہ اور بے مثال کاوش ''جمعتِ علمائے ارکان'' ہمیں طبع کر کے اس کی اشاعت کی توفیق ہورہی ہے، **ذالک فضل الله يو تيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم۔**

ظاہر ہے کہ زیرِنظر کاوش ایک انسان اور وہ بھی اردو کے ایک عجم کے مصنف کی تصنیف ہے، جس میں لسانی فروگزاشتوں کے علاوہ علمی اور فکری لغزشیں بہت ساری ہوسکتی ہیں، تو ناظرین وقارئین کرام سے امید نہیں بلکہ یقین بھی ہے کہ دورانِ مطالعہ ایسی کوئی خامی نظر آئے تو ہمارے ادارہ کو مطلع کرنے کی زحمت گوارہ کریں گے، اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ وہ اپنے خاص فضل وکرم سے مصنف کی زندگی اور ان کی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائیں، آمین یارب العالمین۔

محمد اقبال سلیم/

سکریٹری برائے امورنشرواشاعت

دار البحوث والمناصرة الاسلامية

چاٹگام، بنگلادیش۔

علماء اور جمعیت علمائے اسلام ارکان

الحمدلله و كفى و سلام على عباده الذى اصطفى، اما بعد:

برطانوی دور حکومت میں سرزمین میں ارکان اور برما میں بہت سارے مسلم دانشوران حکومت کے عہدوں میں فائز تھے، جن میں چند حضرت برطانوی برمی حکومت کے کلیدی عہدوں میں بھی رہ چکے تھے، جیسا کہ بیرسٹر سلطان محمود اکیابی (سابق مرکزی وزیر برائے امور صحت حکومت برما) اور مسٹر عبد اللطیف وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ برطانوی حکومت کے عہدے داروں پر سیاست گویا حرام تھی، اسی لئے سرزمین ارکان کے چوٹی کے مسلم قائدین جو حکومت کے وظیفہ خوار ہونے کی وجہ سے سیاسی سرگرمیوں میں قانونی طور پر کھل کر حصہ نہیں لے سکتے تھے۔ یہ دیکھ کر سرزمین ارکان کے چند دور اندیش علماء نے جمعیت علمائے اسلام ارکان (محترم مولانا محمد امین ندوی صاحب کی تحقیق کے مطابق جمعیت علمائے اسلام شمالی ارکان) نامی ایک تنظیم کی بنیاد ڈالی تھی۔ اور جس کی تاریخ تاسیس کا جہاں تک پتہ چلا کہ یہ ۱۹۳۳ء میں تاسیس کی گئی تھی۔

یہاں اس تنظیم کے موسین کے حوالے سے ایک بات کہہ دینا ضروری ہے کہ راقم سطور نے اپنی تالیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی پس منظر میں'' میں یہ جو لکھا تھا کہ ''اس تنظیم کے بانی مولانا غلام قادر ارکانی تھے اور حضرت مولانا عبد السبحان صاحب گرجنڈیاوی مرحوم اور ماسٹر حبیب اللہ صاحب کیلادنگی مرحوم اس تنظیم کے اوّلین میں سے تھے'' لیکن صحیح بات یہ ہے کہ مرحوم غلام قادر صاحب اس تنظیم کے بانی تو نہ تھے البتہ وہ جنرل سکرٹیری کے عہدہ پر فائز تھے، اس کا اصل بانی حضرت مولانا عبد السبحان صاحب گرجنڈیاوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے چند ہم خیال رفقائے کار اور احباب تھے، راقم سطور کو جن ذرائع سے یہ معلوم ہوا تھا کہ مولانا غلام قادر صاحب اس تنظیم کے بانی تھے، بعد میں تحقق ہوا کہ وہ ذرائع ہی غلط تھے۔

اور صرف یہی نہیں بلکہ بعض جاننے والو نے راقم سطور کو یہ معلومات بھی بہم پہنچائیں کہ مولانا غلام قادر جو اس زمانے میں منگڈو کے پوسٹ ماسٹر تھے، ان کے عقیدے ہی میں بڑا خلل تھا، حتی کہ بعض حضرات نے یہاں تک دعوی کیا ہے کہ مولانا کا تعلق بدنام زمانہ قادیانی فرقہ سے تھا۔

جہاں تک راقم سطور کے معلومات ہیں، ان کی بنیاد پر کہا جا رہا ہے کہ جمعیت علمائے اسلام ارکان کی تاسیس جمعیت علمائے اسلام پاکستان کے نہج پر ہوئی تھی۔ اس تنظیم کا تصور پان اسلام ازم کا تصور تھا۔ اس تنظیم کے برخلاف ''کونسل برائے امور دینیات (برما)'' کا تصور سیکولر جو سراسر برمی قومیت پر مبنی تھا، تو وجہ یہی تھی کہ موخر الذکر اس کونسل نے ہمیشہ سیا جی عبد الرزاق کے سیاسی خیالات کی حمایت کی تھی، اور سیاسی عبد الرزاق کے واسطے سے گویا (AFPFL) (جو جنرل اونگ سان کی قیادت میں چل رہی تھی) کی حامی بعض مسلم اور غیر مسلم تنظیموں میں یہ جماعت بھی شامل تھی۔ اور بعد میں بھی دیکھا گیا ہے کہ یہ کونسل اور اس کے لیڈران ہمیشہ ہمیشہ حکومت برما کے حمایت کرنے والوں میں سے تھے، حکومت کا سایہ اس پر ہمیشہ برقرار رہا تھا۔ جب کہ جمعیت علمائے اسلام جس طرح عرض کی گئی ہے کہ اس کا تصور پان اسلام ازم کا تصور تھا، اور سرزمین ارکان کے حوالے سے اس جماعت کی سیاست ہمیشہ ہمیشہ ارکانی مسلمانوں کی حمایت میں تھی۔

پھر یہاں اس بات کا بھی تذکرہ کر دوں کہ جہاں تک راقم سطور کے معلومات کا تعلق ہے، کہ سرزمین ارکان میں جمعیت علمائے اسلام پہلی تنظیم تھی، جس نے امت مسلمۂ ارکانیہ کی سیاسی مفاد کے حوالے سے بڑھ چڑھ کر میدان سیاست میں حصہ لیا تھا۔ اور اس سرزمین کی سیاسیات کے حوالے سے یہ جماعت باضابطہ طور پر سب سے پہلے بنی تھی، ڈاکٹر ایوب علی صابر مرحوم نے اس جماعت کی خدمات کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے، ان کی تحریر میں سے ایک اقتباس حاضر خدمت ہے کہ :

> '' مگھوں نے ارکانی مسلمانوں کی قومی زبان کو مٹانے کے لئے مسٹر زین الدین کو خوب استعمال کیا تھا۔ کیوں کہ وہ پہلے ہی سے اردو کے مخالف تھے، آخر کار موصوف کو آلۂ کار بنا کر اردو زبان اور مسلم اسٹیٹ کے مطالبہ کو دبایا

گیا تھا، اور ارکانی مسلمانوں کو غیر ملکی قرار دینے کی خفیہ سازش کا محاذ کھول رکھا تھا۔ اسی طرح شر پسند مگھوں نے مسلمانوں کے خلاف جنرل اونگ سان کا کان بھی بھر دیا تھا، چنانچہ اونگ سان نے ایک بیان میں کہا تھا کہ ''شمالی مغربی ارکان کے مسلمانوں کے طرز معاشرت، تہذیب وثقافت مگھوں سے مختلف ہے، لہذا ان کے مطالبے تب تک قبول نہیں کئے جائیں گے، جب تک ان کو ملک کے اصل باشندوں کی طرح حقوق نہ حاصل ہوجائیں'' اب جمعیت علمائے اسلام حرکت میں آگئی تھی اور حقوق شہریت کے حصول کی جدوجہد تیز سے تیز کردی تھی، چنانچہ جمعیت علماء نے شاندار جلسہ کرایا تھا، جس میں حصول آزادی (برطانیہ سے) اور مسلم اسٹیٹ کا مطالبہ کیا گیا تھا'' (ایوب علی صابر، تاریخ تحریک آزادی ارکان، ص: ۱۳۰۔ ۱۳۱)

اسی زمانے میں جمعیت علمائے اسلام ارکان ارکانی مسلمانوں کی بڑی فعاّل اور حساس تنظیم تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ تنظیم ۱۹۳۳ء میں وجود میں آئی تھی، چنانچہ جہاں تک پتہ چلا کہ ۱۹۴۲ء کے خون آشام قتل عام کے دوران اس تنظیم کے رہنماؤں اور کارکنوں نے مگھ خون خواروں اور برمی شاطروں کے مظالم سے مسلمانوں کو بچانے کی بڑی حد تک کوشش کی تھی۔ بعض حضرات کا یہاں تک کہنا ہے کہ جن مسلم رہنماؤں نے ۱۹۴۲ء میں ارکانی مسلمانوں کی رہنمائی اور قیادت کی تھی ان کی اکثریت یا تو جمعیت علمائے اسلام کے لیڈران تھی، یا حساس کارکن، جنہوں نے مگھ برموں کے خلاف کئے جانے والے جہاد کا پرچم تھام کر مسلمانوں کو مزید مظالم سے بچایا تھا۔

۱۹۴۲ء کے بعد مگھ خون خواروں اور برمی شاطروں نے مل کر ارکانی مسلمانوں کی سیاست کی ساری راہیں مسدود کردی تھیں، مگر جمعیت علمائے اسلام کے لیڈروں نے ہمت نہیں ہاری۔ دریں اثنا یہ سن کر کہ برما کا معروف شہر میمو میں ایک برطانوی

کمیشن آپہنچا ہے، تو اس کمیشن سے ملاقات کے لئے جمعیت علمائے اسلام نے ایک وفد ترتیب دیا، جس میں درج ذیل حضرات شامل تھے:

(۱) حضرت مولانا ثناءاللہ بن انوارعلی سوداگر بار ایٹ لا، رنگیادنگی، بوسیدنگی۔

(۲) جناب سلطان احمد (BABL) بالوکھالوی، منگڈوی۔

(۳) جناب محمد ہاشم (BA) وکیل فاروی، منگڈو۔

(۴) حضرت مولانا عبدالغفار (BABT) رنگیادنگی، بوسیدنگی۔

چنانچہ اس دفد نے اس برطانوی کمیشن کے سامنے ایک میمورنڈم پیش کیا، جس میں کئے جانے والے مطالبوں میں سب سے نمایاں مطالبہ شمالی مغربی ارکان کو مسلم اسٹیٹ کے درجہ دینے کا مطالبہ تھا۔ یہ ۷/مارچ ۱۹۴۷ء کا زمانہ تھا۔ برطانوی کمیشن کی قیادت سررس ولیم کررہے تھے۔

(۱) حضرت مولانا بیرسٹر ثناءاللہ بن انورعلی سرانگ (بحری جہاز کا کپتان) کی ولادت بوسیدنگ کی مردم خیز بستی رنگیادنگ میں ہوئی، حضرت کے والد گرامی مرحوم انورعلی بن واحد علی برطانوی جہاز کے کپتان تھے۔ مولانا نے دینی تعلیم کی ابتدا اپنے علاقے سے کی اور مدرسہ معین الاسلام ہاٹہزاری سے سند فراغت حاصل کی تھی، انہوں نے دینی تعلیم کے ساتھ عصری علوم کی طرف بھی خاص توجہ دے رکھی تھی، بعد میں لندن (برطانیہ) سے قانون میں بار ایٹ لا کی ڈگری بھی حاصل کرلی۔ ساتھ ہی ساتھ آپ نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی کی دینی اور تبلیغی جماعت سے رشتہ استوار کرلیا، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ سرزمین ارکان میں تبلیغی جماعت کی دعوت کا آغاز بھی حضرت مولانا کے مبارک ہاتھوں سے ہوا تھا۔ جن لوگوں نے یہ دعوی کیا ان کی اس دعوے میں کہاں تک حقیقت ہے وہ الگ بات، مگر اس میں شک نہیں ہے کہ اس تبلیغی جماعت کے حوالے سے حضرت مولانا مرحوم سرزمین ارکان کے اوّلین میں سے تھے۔ بعد میں پتہ چلا کہ حضرت کا خاندان ارکان سے ہجرت کرکے چاٹگام چلا آیا۔ ان کا ایک نواسہ جعفرالاسلام محمود جنرل حسین محمد ارشاد مرحوم کے دورحکومت میں وزیر برائے امور خارجہ بھی رہ چکا تھا۔

مذکورہ میمورنڈم کے ساتھ جمعیت کے دفد نے میمو میں رس ولیم سے ملاقات کی اور میمور

نڈم کے ساتھ زبانی طور پر بھی ''مسلم اسٹیٹ'' کا مطالبہ کیا تھا، مگر سرس ولیم نے بڑے افسوس کے ساتھ جواب دیا کہ ''ہم تو صرف سرحدی معاملات کے سلسلے میں آئے ہوئے ہیں، لہٰذا آپ حضرات کے مطالبات پر حامی بھرنے کے اختیارات ہمارے پاس نہیں ہیں''۔ اس کے بعد جمعیت کے وفد نے رس ولیم سے استفسار کیا کہ کیا آپ نارتھ ارکان کو چن پہاڑی علاقے سے ملا سکتے ہیں؟ سر ولیم نے اس کے جواب میں حامی بھری اور کہا کہ آپ حضرات اسی مطالبہ پر مشتمل ایک درخواست پیش کر دیں۔ مگر اب ایک مصیبت آن پڑی تھی کہ جمعیت علمائے اسلام کے وفد کے پاس ''مسلم اسٹیٹ'' کے مطالبہ کے علاوہ اور کسی قسم کے مطالبہ کرنے کا اختیار نہ تھا، چنانچہ وفد نے سرس ولیم سے یہ کہتے ہوئے رخصت لی کہ ہم مشورے کر کے عریضہ پیش کریں گے، بعد میں جمعیت کا وفد ارکان پہنچا اور مشورے کرتے کرتے سرس ولیم اپنے مشن کو تکمیل کرتے ہوئے لندن چلے گئے، یوں نارتھ ارکان کو چن پہاڑی علاقے سے ملانے کا کام بھی نا تمام رہ گیا تھا (مسٹر عبدالغفار، ارکانی مسلمانوں کا عروج وزوال، ص: ۶۶۔۷۱)

دوسری عالمی جنگ کے اختتام پر برطانوی حکومت نے برما کو پھر قبضہ کر لیا، تاہم اس نے اس خطے کی دیگر سامراجی کالونیوں کی طرح برما کو بھی آزادی دینے کے لئے اپنی رضا مندی ظاہر کر دی۔ ویسے ۱۹/اپریل ۱۹۴۷ء کو ملک بھر میں قانون ساز اسمبلی کے لئے عام انتخابات کرائے گئے، اور منگڈ وبوسیدنگ کے لئے دو امیدواروں کا اعلان ہوا تو جمعیت جو اس زمانے میں ارکانی مسلمانوں کی واحد سرگرم جماعت تھی نے ان دونوں نشستوں کے لئے حضرت مولانا عبد الغفار رنگیا دنگی (فارغ التحصیل مدرسہ محسنیہ چاٹگام سابق ڈپٹی انسپکٹر مدارس اسلامیہ ارکان) اور جناب سلطان احمد (BABL) بالوکھالوی کے نام پیش کر دیئے، جو کامیاب ہوئے۔ ادھر مسٹر اسماعیل داؤد شاہ مارکن معروف بہ تنبیہ صاحب جو ۱۹۴۲ء کے مجاہدین کے رہنما بھی تھے نے بحیثیت آزاد امیدوار اپنا نام پیش کیا تھا۔ مگر جب الکشن کا نتیجہ سامنے آیا تو مسٹر عبدالغفار اور سلطان احمد یا دوسرے الفاظ میں جمعیت کی کامیابی پر تنبیہ صاحب بڑے برگشتہ اور نالاں ہو گئے تھے۔ جمعیت علماء اسلام نے اپنے دونوں منتخب شدہ ممبران کو ہدایت دی تھی کہ برمی ایوان کے

پہلے اجلاس میں نارتھ ارکان کو برمی حکومت کے تحت ایک ''مسلم اسٹیٹ'' کے درجہ دینے کا مطالبہ کیا جائے، لیکن یہ دونوں ممبران اس پہلے اجلاس میں شرکت سے قاصر رہے، وجہ مواصلات کی خرابی تھی، پھر بھی دونوں حضرات نے بعد میں برما کے بڑے بڑے بااثر لیڈران سے مسلم اسٹیٹ کے حوالے سے گفتگو کی تھی۔ اس سلسلے میں کوشش بہت ہو چکی تھی، مگر ہر آن ان کی کوشش کو ناکامی کا چہرہ دیکھنا پڑا تھا۔ لیڈروں سے ان کی ملاقات کا سلسلہ جاری رہا تھا، انہوں نے اس دوران ارکانی لیڈر اونگ زین وے اور سیاجی عبدالرزاق سے بھی ملاقاتیں کی تھیں۔ اونگ زین وے نے ان کو ارکانی مگھوں سے مل جل کر رہنے کا مشورہ دیا۔ جب کہ سیاجی عبدالرزاق صاحب مرحوم نے بس اتنی سی بات پر اکتفاء کی تھی کہ:

'' میں بھی تو ایک مسلمان ہوں نا''

ایک طرف ارکانی مسلمانوں کے دونوں خیر خواہ لیڈروں کی کوشش جاری تھی۔ دوسری طرف ارکان کے مگھ لیڈروں نے روہنگیا مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور پروپیگنڈوں کا جال رکھا تھا۔ ان مگھوں نے برما بھر کے چوٹی کے لیڈروں کے کان یہ کہہ کر بھر دیا تھا کہ سرزمین ارکان کے طول وعرض میں بنگالی اور ہندوستانی نژاد کے لاکھوں مسلمان گھسے ہوئے ہیں، جو ارکان کو پاکستان بنانے کے خواہش مند ہیں۔ اب مسٹر عبدالغفار اور سلطان احمد کے لئے زمین تنگ ہو گئی تھی۔ تو ان دونوں نے بھانپ لیا تھا کہ ہماری آخری کوشش مسٹر اونگ سان سے ملاقات کو یقینی بنانے پر ہونی چاہئے، تا کہ ان سے شمالی ارکان کو مرکزی حکومت برما کے تحت ''مسلم اسٹیٹ'' کا درجہ دینے کی بات طے ہو سکے۔ مگر اونگ سان نے عدم فرصت کے بہانے تراشتے رہے، تاہم اس اپنے سکر ٹیری کو حکم دیا تھا کہ ان دونوں مسلم لیڈروں کی درخواست کو فرصت میں ان کے سامنے پیش کر دیا جائے، یوں ارکانی مسلمانوں کے ان دونوں لیڈروں نے میمورنڈم کی شکل میں اپنے جائز مطالبات کو اونگ سان کے سکرٹری کا حوالہ کیا تھا۔ اور سکرٹیری نے ان دونوں کو عندیا دیا تھا کہ ۱۹/جولائی کو آپ حضرات اونگ سان سے ملاقات کے لئے تشریف لائیں۔ چناں چہ ۱۹/جولائی کو دونوں حضرات اونگ سان سے ملاقات کرنے کے لئے رہائش گاہ سے نکلے، تو سارے کے سارے ر

استوں پر سناٹا چھایا ہوا دیکھ کر ششدر رہ گئے تھے، بعد میں معلوم ہوا کہ اونگ سان اور ان کے چھ ساتھی بشمول سیاجی عبدالرزاق اس دنیا میں نہیں ہیں، خون خوار حملہ آوروں نے سکرٹیریٹ میں اچانک گھس کر ان کو ہلاک کر دیا ہے۔

یہاں قارئین کرام کو ایک بات بتا دینا چاہتا ہوں کہ ان چھ مقتول افراد میں سیاجی عبد الرزاق کے علاوہ ایک اور مسلمان لیڈر بھی تھا، جس کا تذکرہ عام برمی تاریخ میں نہیں ملتا۔ تاہم تحریک آزادیٔ برما کے ہیروؤں میں سیاجی عبدالرزاق کی شمولیت اور ان کا کردار جو بھی تھا اور جتنا بھی تھا اسے بھولے سے بھلایا نہیں جا سکتا، مسلمانان ارکان اور برما کے لئے کافی ہے کہ برما کی آزادی میں مسلمانوں کا بھی روشن کردار رہا ہے، جس طرح مسلمانان پاک و ہند کے روشن اور تابناک کردار ان دونوں ملکوں کی آزادی میں رہا تھا۔

مسٹر اونگ سان اور ان کے ساتھیوں کی ہلاکت کے بعد مسٹر اونو کو برما کا وزیر اعظم بنایا گیا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں برمی ایوان کی دوسری سشن شروع ہوئی، جس میں شان، کچن، مون وغیرہ ریاستوں کے متعلق طول طویل گفتگو ہوئی تھی۔ مگر شمالی مغربی ارکان کو مسلم اسٹیٹ کے درجہ دینے کی کوئی بات نہ ہوئی تو مسٹر عبدالغفار اور سلطان احمد صاحبان نے اس کی وجہ دریافت کرتے ہوئے بتایا تھا کہ :

''ہم نے اپنا جائز مطالبہ ''مسلم اسٹیٹ'' کا ایک میمورنڈم اونگ سان کے حکم سے ان کے سکرٹیری کا حوالہ کیا تھا، لیکن آج اس پر کسی بھی قسم کی گفتگو نہ سن کر ہم آپ سے اس کی وجہ پوچھتے ہیں؟،، ان دونوں کے اس استفسار پر اسپیکر نے کہا کہ اونگ سان نے اپنی ہلاکت کے قبل نارتھ ارکان کے مسلم علاقہ کے بارے میں کہا تھا کہ :

> ''منگڈو اور بوسیدنگ جو شمالی مغربی ارکان کا ایک مسلم علاقہ ہے، جہاں پانچ لاکھ کی مسلم آبادی ہے، اگر اس علاقہ کو مسلم اسٹیٹ کا درجہ دیا جائے گا تو ملک بھر میں اس قسم کی ریاستیں بہت زیادہ ہو جائیں گی، جس سے حکومت بہت کم زور ہو جائے گی،، (مسٹر عبدالغفار ناکھوروی۔

ارکانی مسلمانوں کے عروج و زوال، ص: ۶۷)

برمی پارلیمنٹ کے اسپیکر کا مایوس کن جواب سن کر ارکان کے لیڈران مزید پریشان ہو گئے تھے، لیکن کوئی بھی ان دونوں کی پریشانی پر دادرسی کرنے والا نہ تھا۔ یاد رہے کہ برمی پارلیمنٹ میں اس وقت تین سو سے زیادہ ممبران تھے۔

پھر برما کی آزادی کے حوالے سے مسٹر اونو لندن گئے، جہاں انہوں نے اس وقت کے برطانوی وزیر اعظم مسٹر اٹلی سے گفتگو کی، جس کے نتیجے میں بالآخر ایک معاہدہ پر دستخط ہو گیا۔ جس کے بعد برطانیہ نے ۶ رجنوری ۱۹۴۸ء کو برما کی مکمل آزادی دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ لیکن برمی نجومیوں نے اس دن کو منحوس قرار دیا تو ۴ رجنوری ۱۹۴۸ء کی صبح چار بج کر ۲۰ منٹ میں برما میں برطانوی گورنر نے آزادی کا اعلان کرتے ہوئے لندن کی راہ لی اور اونو برما کا پہلا وزیر اعظم اور شوے سا تائک صدر جمہوریہ بن گئے ۔

برما کی آزادی کے بعد اونو دور حکومت میں ارکانی مسلمانوں کے حوالے سے بہت ساری تنظیمیں بنیں، سیاسی، سماجی، اقتصادی، معاشی، دینی و ثقافتی تنظیموں کے علاوہ چند طلبہ تنظیمیں بھی وجود میں آئیں، لیکن آزادی کے قبل سرزمین ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کے حوالے سے قومی سطح پر صرف اور صرف ایک تنظیم تھی۔ جس نے اپنی تاسیس کی ابتداء سے مسلمانان ارکان کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں، آزادی کے قبل سرزمین ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کے حوالے سے قومی سطح پر صرف اور صرف ایک یہی تنظیم تھی جس نے اپنی تاسیس کی ابتداء سے مسلمان ارکان کی بڑی بڑی خدمات انجام دی تھیں، آزادی کے قبل سرزمین ارکان کے حوالے سے صرف اس تنظیم کی سیاست چلی تھی، جس میں ارکان کے تقریباً بڑے بڑے نامور علماء کے علاوہ دانشوران بھی شامل تھے۔ اور جن جن حضرات علماء نے اس تنظیم میں شامل ہو کر قومی اور دینی فریضہ انجام دیا تھا، ان کی تفصیلات کے لئے کم سے کم ایک ضخیم جلد کی ضرورت ہوگی، جو اس عجالے میں ممکن نہیں ہیں کہ ان کی تفصیلات بیان کی جائیں۔

علمائے ارکان کو اس بات پر فخر و ناز ہونا چاہئے کہ ان کے اسلاف نے سرزمین ارکان

اوروہاں کے مسلمانوں کی فلاح و بہبودی، کامرانی اور نجات کے لئے جمعیت علمائے اسلام ارکان جیسی ایک تنظیم کی تاسیس کر کے اس بات کا ثبوت پیش کر دیا کہ علماء نے دیگر امور دینیہ کے علی الرغم سیاست وقیادت اور جہاد جیسے اہم دینی فریضہ کی ادائگی میں کبھی بھی کوتاہی سے کام نہیں لیا، جب کہ بعض عصری علوم کے حاملین ہمارے دانشوران و مثقفین ،علماء پر الزام دیتے نہیں تھکتے کہ علماء سیاست میں بہت پیچھے ہیں،تو ارکان کے ان دانشوروں کو سوچنا چاہئے کہ سرزمین ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کے حوالے سے سیاست وقیادت کے فرائض انجام دینے کے لئے سب سے پہلی قومی سطح کی تنظیم کس طبقہ نے بنائی تھی؟،اورتو اور کہنے میں تو اسے جماعت علماء نے بنائی تھی،اور نام بھی جمعیت علمائے اسلام دیا گیا تھا،مگر دیکھئے کہ علماء کتنے فراخ دل تھے، کہ اس جماعت میں وقت کے تقریبًا تمام دل جلے دانشوران کی شرکت وشمولیت بھی انہوں نے ضروری سمجھی ،علماء میں صرف بعض تنگ نظروں کی تنگ نظری انہیں کھٹکتی ہے،ان کو یہ نظر کبھی نہیں آتا کہ علماء کتنے فراخ دل، بالغ نظر اور دوراندیش بھی ہو سکتے ہیں۔

میرے ان معروضات سے کسی دانشور بھائی کا دل دکھے تو معذرت !! مگر حقیقت جو کہوں بھی تو حقیقت اور نہ کہوں تو وہ بناوٹ کبھی نہیں ہوسکتی۔ بتایئے کہ تاریخ ارکان کی سب سے اوّلین تاریخی اور قومی ودینی جماعت علماء نے تاسیس کی تھی یا دانشوران نے؟ جواب بس وہی نکلے گا جو حقیقت ہے۔ علمائے اسلام ارکان ہی قومی سطح پر اس میدان میں سب سے پہلا مسابقہ جیتے ہیں۔ پھر ساتھ ہی ساتھ سرزمین ارکان کے علماء،طلبہ اور دینی وایمانی حوالے سے پروان چڑھنے والی آنے والی نسلوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ ان کے اسلاف نے ان کے لئے کیا ورثہ چھوڑ چلا ہے۔اوران کی چھوڑی ہوئی اس وراثت کو کس طرح اور کس آن بان سے سنبھلنا ان کا دینی ایمانی،قومی اور ثقافتی فریضہ ہے۔اور میرے ان معروضات سے یہ مقصد بالکل نہیں ہے کہ میں سرزمین ارکان کے حوالے سے اور ایک فتنہ کھڑا کر رہا ہوں ، علماء اور دانشوروں میں تفریق کی بنیاد ڈال رہا ہوں ، میں اس کا سراسر مخالفت ہوں کہ علماء اور دانشوروں کی تفریق کی جائے۔ میں صرف دانشوروں کو تاریخی حقائق بتا کر یاد دلا رہا ہوں کہ آپ نے جو علماء پر الزام

عاید کیا ہے کہ علماء سیاست وقیادت میں پیچھے ہیں، یہ سراسر ایک غلط الزام ہے۔

یہاں ایک اور حقیقت کا تذکرہ بہت اہم ہے کہ اگر چہ جمعیت علمائے اسلام ارکان اور جمعیت علمائے اسلام برما ایک جیسی دو جماعتیں لگتی تھیں اور ہیں، مگر ان دونوں میں بعض چیزوں کے حوالے سے ہم آہنگی ہونے کے باوجود کچھ نمایاں فرق بھی موجود تھا، اول تو مولانا محمد امین ندوی کے مطابق برصغیر میں جمعیت علماء نامی تین تاریخی مصادر پائے جاتے ہیں:

ا۔ جمعیۃ علماء ہند: جس کے قائدین میں سے حضرت مولانا سید حسین مدنی رحمۃ اللہ علیہ سر فہرست تھے، یہ جمعیت علی العموم کانگرسی سائڈ میں رہتی ہے۔جس کے سیاسی تصور میں سے ایک تصور قوم مذہب سے نہیں بلکہ وطن سے بنتی ہے، اور جس کے خلاف اورتو اور علامہ سر محمد اقبال کو بھی منہ کھولنا پڑا تھا کہ:

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں۔

تو برمی جمعیت علمائے اسلام اسی جمعیت علماء ہند کے طرز کی سیاست کی حامی تھی۔

۲۔ دوسری جمعیت علمائے اسلام پاکستان: جس کا سیاسی تصور پان اسلام ازم کا تصور تھا اور آج بھی ہے، جس کے سرخیل حضرت مولانا مفتی محمود صاحب تھے، اور آج بھی ان کے صاحب زادۂ گرامیٔ قدر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اس کا رہنما ہیں۔ تو ارکان کی جمعیت علماء اس دوسری جمعیت علماء اسلام کی سیاست کی حامی تھی۔ جس کا نام کبھی جمعیت علمائے شمالی ارکان تھا، اور کبھی جمعیت علمائے اسلام ارکان، اور کبھی روہنگیا جمعیت علمائے اسلام ارکان رہا تھا اور اب بھی ہے۔

۳۔ اور تیسری ایک اور جمعیت علماء بھی تھی اور شاید اب بھی ہے، وہ ہے بریلوی مکتب فکر کی جمعیت علماء، جس کا سرخیل برصغیر ہندو پاک میں ماضی قریب و بعید میں کون کون تھا تو معلوم نہیں، البتہ اس کا ایک سلسلہ ارکان میں بھی موجود تھا، ماضی میں جس کا رہنما اسماعیل داؤد شاہ مارکن معروف بہ تنبیہ صاحب اکیابی تھے، جن سے کسی سیاسی سلسلے میں ہمارے بزرگوں میں

سے مولانا عبدالقدوس مظاہری مرحوم وغیرہ نے ملاقات بھی کی تھی۔

جمعیت علمائے اسلام برما کل برمی مسلمانوں کی نمائندہ جماعت متصور تھی، جس کا دعوی تھا کہ جمعیت اسلام برما کل برمی مسلمانوں کی خیر خواہ جماعت ہے، مگر جمعیت علمائے اسلام ارکان کا سب سے بڑا ہدف اس زمانے میں شمالی مغربی ارکان کو "مسلم اسٹیٹ" کا درجہ دینا یا بنانا تھا، تاکہ یہاں کے مسلمان آزادی کے ساتھ جی سکیں، اور بطور خاص مگھوں کے مظالم سے بچنے کا سروسامان ہو جائیں، مگر جمعیت علمائے اسلام ارکان کو اس ہدف کے حصول کے لئے جمعیت علمائے اسلام برما نے کھل کر حمایت نہیں کی تھی۔ یہ اور دیگر امور کو سامنے رکھتے ہوئے بعض حضرات فکرو دانش کا کہنا ہے کہ ان دونوں جماعتوں کے درمیان اگرچہ نام میں خاصی یکسانیت ہے مگر فکر و نظریات کے حوالے سے ان دونوں میں نمایاں فرق بھی تھا۔

بہر حال برما کی آزادی ۱۹۴۸ء سے لے کر اقتدار پر برمی فوجوں کے قبضہ یعنی ۱۹۶۲ء تک جمعیت علمائے اسلام ارکان نے قانونی طور پر ارکانی مسلمانوں کی بڑی بڑی خدمات انجام دی تھیں، بطور خاص ثقافتی اور تعلیمی میدان میں اس کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، اس جماعت کی اس زمانے کی خدمات کے حوالے سے راقم سطور کی تالیف "سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی پس منظر میں" کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے:

> "آزادی برما کے بعد ارکان میں بعض دوسری اسلامی منظمات ابھر آئیں، لیکن آزادی سے پہلے اسی تنظیم (جمعیت علمائے اسلام ارکان) کی خدمات ارکان میں دیکھی گئیں، جو کبھی بھی فراموش نہیں کی جاسکتیں، اور آزادی کے بعد بھی بڑی مدت تک اس جماعت کی خدمات قومی سیاست کے افق پر نمایاں طور پر نظر آئی ہیں، خصوصاً وزیر اعظم اونو کے دور حکومت میں اس تنظیم نے جو خدمات انجام دیں وہ قطعاً ناقابل فراموش ہیں"۔

برما پر معروف و مشہور زمانہ فوجی ڈاکٹیٹر جنرل نیون کا قبضہ ہو گیا تو ملک بھر کی تمام جماعتوں کی طرح جمعیت علمائے اسلام ارکان کو بھی معطل کر دیا گیا تھا، اور میدان سیاست کے تمام مسلم

اور غیر مسلم ارباب سیاست وقیادت کے منہ پر تالے لگادیئے گئے تھے، یوں جمعیت علمائے اسلام کے شیران پلنگ کو بھی خاموش ہو جانا پڑا تھا۔ تاہم جمعیت علمائے اسلام کے پرچم تلے اب تک قوم وملّت کے کام سرانجام دینے والوں نے ملک کے سیاسی حالات کے پیش نظر اس بات پر سوچا کہ آیا ملک کے بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے مطابق یہاں ملک وملّت کی کوئی خدمت بھی انجام دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جمعیت کے ارباب بست وکشاد میں سے چند بزرگوں کی رائے تھی کہ ملک کی اس بدلتی ہوئی سیاسی حالت کے پیش نظر جتنا ممکن ہو سکے ملک وملّت کی خدمات انجام دینا چاہیے، لیکن اس کے برعکس چند بزرگوں کی رائے یہ تھی کہ اب جمعیت علمائے اسلام کو زیر زمین جاکر انقلابی انداز میں کام کرنا ناگزیر ہے، ان بزرگوں کے اس حوالے سے راقم نے اپنی تالیف سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی پس منظر میں کچھ خامہ فرسائی کی تھی، جس سے ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے:

> "اب جمعیت علمائے اسلام اگرچہ سیاست کے ظاہری افق پر خاموش ہو گئی تھی، مگر اندر ہی اندر ایک راہ کی بھی متلاشی تھی کہ جس پر چل کر ملّت اسلامیہ ارکان کی اگلی خدمات سرانجام دی جائیں، باوجودیکہ اس پر کوششیں بہت ہوئیں لیکن ۱۹۷۵ء تک جمعیت اپنی تمام کوشش میں بظاہر ناکام رہی، یہ وہ زمانہ تھا جب ایک طرف ملک بھر میں برمی شوشلست پروگرام پارٹی کے کارندے بھوکے شیر کی شکل میں دھندناتے پھر رہے تھے، تو دوسری طرف ارکانی مسلمان مسلسل سیاسی وانقلابی بحران کے شکار ہو جانے کے بعد ناامید اور مایوس ہو بیٹھے تھے، جمعیت علمائے اسلام کے لیڈروں نے جب دیکھا کہ ملک میں علانیہ کوشش کی گنجائش باقی نہیں ہے، تو ۱۹۷۵ء میں انہوں نے زیر زمین جانے کو مناسب سمجھا، جس وقت ارکان کا میدان سیاست بالکل سرد ہو چکا تھا تو اسے پھر سے گرمانے کی جمعیت علمائے اسلام کے اراکین ہی نے بڑی تیزی سے کوشش شروع کر دی تھی۔ اور ارکان کا زیر

زمین رہنے والا گروپ جو آخر تک جعفر حبیب کی قیادت میں چل رہا تھا، وہ
بھی چاٹگام میں دم واپسیں لینے پر مجبور ہوتھا۔ تو ۱۹۷۵ء میں جمعیت
علمائے اسلام ارکان کے ارباب بست وکشاد میں سے چند افراد جن
میں مولانا عبدالقدوس مظاہریؒ، مولانا حبیب اللہ سمبوئیؒ، جناب مولانا
محمد زکریا صاحب محدث مدرسہ اشرف العلوم نور اللہ پاروئیؒ اور جناب
ماسٹر عبدالغفار صاحب نکہوروئیؒ سرفہرست تھے نے چاٹگام میں بیٹھے بیٹھے
دم واپسیں لینے والے انقلابیوں کو پھر سے میدان میں اتارلانے کی کوشش
کو ناگزیر سمجھا تھا، یوں مذکورہ حضرات اس سلسلے میں چاٹگام تشریف لائے
۔اور چاٹگام میں اس حوالے سے چند اجلاس ہوئے، بالآخر بات یہاں
تک طے ہوئی تھی کہ اگلی جماعت کے ایک قائد منتخب کرنے کے لئے
علمائے ارکان میں سے چند صاحب رائے بزرگان دین کو اس کا ذمے دار
بنایا جائے ۔جس کی تفصیلات ار پی ایف کے باب میں گزر چکی ہیں،
بالآخران بزرگوں جن کے اسمائے گرامی یہاں لانا مناسب نہیں سمجھا
جارہاہے کی اتفاق رائے سے حضرت پیر صاحب (حضرت مولانا مظفر احمد
مینگزوی، خلیفہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ)
نے جعفر حبیب مرحوم کو اجازت وقیادت دیتے ہوئے ایک تحریری اجازت
نامہ لکھ بھیجا تھا۔ یوں علمائے ارکان اور دانشوران عظام کے تعاون سے
ار پی ایف (روہنگیا فدائین محاذ) کی دوبارہ تجدید ہوگئی تھی،،

آپ نے اس اقتباس میں ملاحظہ کیا کہ اس زمانے میں چند ارکانی علماء اور دانشوران نے
حضرت پیر صاحب کو اس بات کا ذمے دار بنایا تھا کہ آپ علمائے ارکان کی طرف سے اگلی
ہونے والی انقلابی جماعت کا ایک قائد منتخب کریں، جس کی بنیاد پر حضرت پیر صاحب نے
حضرت جعفر حبیب کو میدان انقلاب کا قائد منتخب فرمایا تھا، اور جن حضرات علمائے کرام نے

حضرت پیر صاحب کو اتنے عظیم کام کا ذمے دار بنایا تھا، اور جن کے اسمائے گرامی اس وقت
کے حالات کی نزاکت کے پیش نظر سامنے نہیں لائے جاسکے تھے، ان چوٹی کے بزرگ ترین
علمائے ارکان میں حضرت مولانا سید الامین صاحبؒ سرفہرست تھے۔ ان دونوں مذکورہ
بزرگوں کے علاوہ اور دو شخصیتیں بھی تھیں، ان میں سے ایک حضرت مولانا سلطان احمد صاحبؒ
بانی مدرسہ دارالعلوم میاں جان پور اور دوسرا حضرت مولانا عبدالسبحان صاحب گرھاخالویؒ۔

تو ظاہر ہے کہ اس وقت یہ سارے حضرات حین حیات تھے، اسی لئے ان کے سمائے گرامی
کا تذکرہ اس زمانے میں ممکن نہیں ہوسکا تھا، آج کل تو سارے کے سارے بزرگان دین متین
اس جہاں فانی سے رخصت لے چلے، اسی لئے ان کے نام گرامی کا تذکرہ ممکن ہوسکا ہے۔
یادرہے کہ سرزمین ارکان کے یہ وہ بزرگان دین تھے، جنہیں اپنے زمانے میں مرجعیت کا درجہ
حاصل تھا اور تو اور انہیں ہمارے بعض حلقوں نے ''مشائخ اربعۃ'' کا نام بھی دیا تھا۔

اب ان تمام باتوں سے کیا پتہ چلتا ہے؟ یہی ہے نا کہ علمائے ارکان ایک طرف جمعیت
علمائے اسلام ارکان کے پرچم تلے ممکنہ خدمات اندرون ارکان میں بھی ادا کررہے تھے، تو
دوسری طرف انہوں نے زیر زمین ایک انقلابی جماعت کی بھی سرپرستی کی تھی، مگر یہاں افسوس
کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ علمائے اسلام ارکان کی یہی سرپرستی روہنگیا فدائین محاذ پرتادیر نہیں رہ
سکی، اور ۱۹۷۸ء کے بعد ہماری زیر زمین سیاست نے اور ایک انگڑائی لی، جس کا قدرے اجمال
راقم سطور کی مذکورہ تالیف کے اس اقتباس میں ملاحظہ کیجئے:

''۱۹۷۵ء سے لے کر ۱۹۷۸ء تک ار پی اپنے مختلف مراحل سے گزرتی ہوئی
قومی سطح پر جہاد کی خدمات انجام دے رہی تھی۔ ادھر ۱۹۷۸ء کو بڑی تعداد
میں روہنگیا مہاجرین بنگلہ دیش پہنچے، تو ادھر ار پی ایف میں سیاسی رسہ کشی
شروع ہوگئی تھی، جمعیت علمائے اسلام ارکان کے ارباب بست وکشاد نے
ار پی ایف کے لیڈروں کے درمیان ہونے والی رشہ کشی کو ختم کرانے کی
کوشش کی، مگر ان کی تمام کوشش آخر کار ناکام ہوگئی تھیں، بالآخر جناب نور

الاسلام ، ڈاکٹر محمد یونس ، پروفیسر محمد زکریا سمیت بہت سے لیڈران ار پی ایف سے نکل بھاگے۔اور آگے چل کر مولانا محمد کبیر اوران کے ہم خیال چند حضرات بھی ار پی ایف سے بچھڑ گئے تھے،اب جمعیت علماء نے ہر مرحلہ میں خودکو نامراد اورنا کام پایا تو اپنی تئیں مسلح ہونے کو مناسب سمجھا، یوں مولانا عبد القدوس مظاہری کے اشراف اور مولانا عقیل احمد قاسمی کی صدارت میں ۱۹۷۹ء میں جمعیت علمائے اسلام ارکان کی مسلح جد جہد کا آغاز ہوا تھا۔

اب یہاں جمعیت علمائے اسلام ارکان کا ایک گروپ مسلح ہوجانے اور زیر زمین چلے جانے کے بعد بظاہر یہ معلوم ہورہا تھا کہ اب جمعیت علمائے اسلام ارکان دوگروہوں میں تقسیم ہوگئی ہے،مگر حقیقت میں بات ایسی نہیں تھی، ارباب جمعیت کی حکمت وبصیرت تھی کہ انہوں نے ایک طرف اندرون ارکان میں بھی کسی نہ کسی حد تک جمعیت کی ساکھ کو بحال رکھا، اور ساتھ ہی ساتھ اپنی جماعت کی ایک خاص تعداد کو بھی زیر زمین پہنچا کر انقلابی سرگرمی کا آغاز کر دیا تھا۔اللہ تعالی حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہری رحمہ اللہ اور حضرت مولانا عقیل احمد قاسمی رحمہ اللہ کے درجات بلند فرمائیں ، دونوں کے دونوں بزرگ بڑے جید علمائے ارکان میں شمار تھے،ایک قاسمی دوسرے مظاہری ، بڑے دور بین ، حساس ، فعال اور صاحب حماست وبصیرت لیڈر تھے ، یہ اوران کے رفقائے کار نے ہر ممکنہ کوشش کی تھی کہ جمعیت علماء اسلام کے زیرسائے سرزمین ارکان اوروہاں کے مظلوم مسلمانوں کو ظالموں کی چنگل سے نجات دلائیں۔مگر کیا کہوں کہ ان کا ایک قصور علماء ہونا تھا، ظالموں نے اپنے مشترکہ دشمن سے لڑنے کے بجائے اپنے خیر خواہ علماء کا تعاقب کیا، ظالم دشمن سے کیا خاک لڑتے ،انہوں نے اپنی ساری توانائیوں کو علماء کے تعاقب میں صرف کر دیا تھا۔

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے‘‘۔

جب کہ جمعیت علمائے اسلام کے قائدین بڑے دور اندیش اور بڑے فراخ دل تھے ، بظاہر یہ تو دیکھا جارہا ہے کہ یہ علمائے اسلام کی ایک جماعت ہے،مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کی تاسیس سے لے کر ہر دور میں اس میں بڑی تعداد میں دانشوران بھی شامل تھے،مثال کے طور پر سلطان احمد صاحب بالوکھالوی کو دیکھئے ! ۱۹۴۷ء میں منگڈ و اور بوسیدنگ کے لیمنٹ ممبروں میں سے ایک آپ بھی تھے،اور دوسرے ایک عالم دین حضرت مولانا عبدالغفار صاحب رنگیادنگی ۔ ادھر جمعیت علمائے اسلام مسلح ہوجانے کے بعد اس میں شامل دیگر دانشوروں کا کیا شمار،صرف مجلس عاملہ کے دس اراکین میں سے تین حضرات کا شمار سرزمین ارکان کے بلند نگاہ اعلی دانشوروں میں سے تھا، ملاحظہ کیجیے:

(۱) مشرف اعلی : حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہریؒ۔وفات کراچی۔
(۲) صدر: حضرت مولانا عقیل احمد قاسمی رحمہ اللہ۔وفات کاکس بازار۔
(۳) سکرٹیری جنرل: حضرت مولانا قاری بدرالاسلام صاحبؒ بن حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ۔
(۴) نائب سکرٹیری: جناب سیّد لطیف پوئما لوی۔(دانشور)
(۵) خازن : حضرت مولانا کرامت علی صاحب ۔مقیم حال کاکس بازار۔
(۶) رکن: حضرت مولانا محمد حنیف راغب صاحب فرندگی۔
(۷) رکن: جناب شہید لطیف بلی بازاری (دانشور)
(۸) رکن: جناب شاہِ عالم صاحب مرحوم (دانشور)
(۹) رکن: حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب۔

دیکھے کہ بات صرف اتنی سی کہہ کر ختم نہیں ہوجاتی ، جمعیت علمائے اسلام کے عہد ہائے جلیلہ تو صدر اور ارکین عاملہ سنبھالتے تھے، جب کہ چیف اف کمانڈر جیسے حساس عہدہ پر ایک ارکانی دانشور کو فائز کیا گیا تھا، جن کا نام مایورے رشید (باموںگ) تھا۔ چند سال پہلے رشید صاحب کا انتقال کاکس بازار میں ہوگیا، جہاں تک میں جانتا ہوں کہ آپ ایک افسانوی زندگی کے حامل دانشور تھے، اللہ تعالی ان کو درگزر فرمائیں، آمین۔

بہر حال جمعیت علمائے اسلام ارکان (جواب مسلّح ہوچکی تھی) نے بنگلہ برما سرحد پر ریزو

کے مقام میں ایک معسکر بنایا تھا، جہاں رشید صاحب کی قیادت میں مجاہدین منتظر فرداتھے۔
چونکہ جمعیت علمائے اسلام ارکان مسلمانان ارکان کو بیدار کرکے جہاد میں اتارلانے کے ساتھ ساتھ ارکانی مگھوں سے مل کر سرزمین ارکان کو برمی غاصبوں سے مکمل آزاد کرنے کی خواہشمند تھی ، اسی لیے نیون حکومت کے خلاف مسلح جدوجہد کرنے والی غیر مسلم تنظیمون سے متحد ہوجانے کو مناسب سمجھا تھا، اب تنظیم نے دیکھا کہ ان مسلح جدوجہد کرنے والی جاعتوں میں برما کمیونسٹ پارٹی (BCP) ہراعتبار سے بقیہ تمام تنظیموں سے آگے ہے،تو جمعیت نے بی سی پی سے ایک معاہدہ کرلیا ، اور بی سی پی نے بھی جمعیت علمائے اسلام جیسی ایک تنظیم کو پاکر اپنی خوشی کا اظہار کیا تھا۔ یوں بی سی پی نے جمعیت کو بیس رائفل، تین ہلکے مشین گن، تین روسی ساخت کے اسٹین گن اور دو پستولوں سے تعاون کیا تھا ۔

اسی طرح جمعیت علمائے اسلام نے دوسری مگھ تنظیموں سے چند معاہدے کرلئے تھے۔ جن میں راما لا پانامی تنظیم قابل ذکر ہے ۔ باوجودیکہ یہ سارے معاہدے سرد خانے کے شکار ہوگئے تھے،مگر بی سی پی کے تعاون سے جمعیت علمائے اسلام ایک مسلح گروپ یا جماعت میں تبدیل ہوچکی تھی۔

جمعیت علمائے اسلام حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہریؒ کی ہجرت پاکستان چلے جانے کے بعد مولانا عقیل احمد قاسمیؒ کی زیر قیادت منزل کی طرف رواں دواں تھی۔مگر بڑی حد تک مالی کمزوری کی شکار تھی ،اور آگے چل کر اسی کم زوری نے ایک بحران کی حالت اختیار کرلی تھی ۔مولانا عقیل احمد قاسمی سمیت تنظیم کے بڑے بڑوں نے ہر چند کوشش کی تھی کہ کسی بھی طریقے سے تنظیم کو اس مالی بحران سے بچایا جاسکے۔مگر ساری کوششیں ایک طرح کی رائگاں گئیں ، ایسے حالات میں چیف آف کی نڈر جناب رشید بالونگ صاحب نے مولانا عقیل صاحب سے تنظیم کو جلد از جلد مالی بحران سے نکال باہر کرنے کا بھرپور مطالبہ کردیا تھا،مولانا اوران کے رفقائے کارنے ہر چند کوشش کی تھی ،مگر ضرورت کی حد تک رشید صاحب کے مطالبہ کو پورا نہ کیا جاسکا،اتنی مصیبت اور آزمایش کے دوران بھی مولانا عقیل اور ان کے رفقائے کارنے ہمت نہیں ہاری اور تنظیم رینگتی رگڑتی ۱۹۸۵ء کے اواخر تک پہنچی ۔اور تنظیم کے ایسے حالات پر راقم سطور کا ایک ریمارکس ملاحظہ کیجئے کہ :

”ادھر ہمارے تجربہ اور مطالعہ نے ایک بات سورج کی طرح عیاں کردی ہے کہ ہماری تاریخ جہاد میں دیکھا گیا کہ جبھی منظمات مالی بحران کی شکار ہوجاتیں تو یہاں افراتفری، پہلوتہی اور بغاوت کو سر اٹھانے کا موقع ہوجاتا ۔باوجودیکہ ارکان کی جہادی تاریخ میں سوائے دوایک نام نہاد منظمات کے ہر تنظیم کی بنیاد اخلاص وللّٰہیت پر پڑی تھی،مگر ان اخلاص وللّٰہیت کی بنیاد پر بنائی گئی تنظیم میں بھی وقت کے ساتھ ساتھ حرص وجاہ طلبی جیسی مہلک اور جان لیوا بیماری رونما ہوگئی تھی ۔ بالآخر نہ صرف افراد بلکہ تنظیم بھی خود خلوص وللّٰہیت کی دنیا سے سر موانحراف کرکے مادیت کی دنیا میں قدم رکھ دی ، بالآخر بات یہاں تک پہنچ جاتی تھی کہ مال وجاہ ہے تو سب کچھ ہے،نہیں ہے تو دین ودھرم عقیدہ ومذہب سب کو نیلام کردینے میں کوئی بھی کسر باقی نہیں ہوتی ،جس کے نتیجے میں کبھی بغاوت نے سر اٹھایا تو کبھی نافرمانی نے حملہ کردیا ، کبھی باہم ٹکراؤ اور قتل وخون کا عالم ہوا تو کبھی ناز یبا حرکات وسکنات کی روایات قائم ہوئیں ، آخر کار نہ صرف تنظیم ختم ہوئی بلکہ دین ومذہب اور قوم وملت کے تمام کام دھرے رہ گئے ، ویسے جمعیت علماء کو بھی مالی بحران کے گھن نے اندر ہی اندر کھا کر کھوکھلا بنادیا تھا“ (محمد طاہر جمال ندوی، سرزمین ارکان کی تحریک آزادی،ص: ۴۱۱ ۔ ۴۱۲)

ہر چند کوششوں کے باوجود تنظیم کو مالی بحران سے نکالا نہ جاسکا، یوں ۱۹۸۶ء کے اواخر میں رشید بامونگ صاحب نے اپنے تمام رفقاء اور ہم نوا سمیت قائدین سے بغاوت کی، اور تنظیم کو کالعدم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اس سے مکمل علیحدگی اختیار کرلی تھی ۔اور اگلے سال ۱۹۸۷ء کی ابتدا میں محترم نورالاسلام صاحب کے ارایس او گروپ اور مرحوم شبیر حسین صاحب کے ار پی ایف گروپ کے متحدہ محاذ (ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ ARIF) میں رشید صاحب نے بھی انضمام کرلیا تھا۔ یوں جمعیت علمائے اسلام کی مسلح جدوجہد تھم گئی تھی۔

رشید صاحب اس اسلامک فرنٹ میں چند سال رہے، بعد میں وہ (روہنگیا لیبریشن آرگنائزیشن RLO) سے منسلک ہوگئے تھے ۔ اور یہاں بھی جب بغاوت اور نافرمانی

شروع ہوگئی تو انہوں نے اپنی جان بچا کر راہ فرار اختیار کی۔ اس کے بعد وہ بنگلہ دیش خبر رساں اجنسی سے منسلک ہو گئے۔ اور مرتے دم تک اس خبر رساں اجنسی کے کارکن رہے تھے ۔

دراصل بات یہ ہے کہ علمائے دیوبند کی قیادت میں چلنے والی دو تنظیمیں ''جمعیت علمائے ہند '' اور'' جمعیت علمائے اسلام'' برصغیر ہندو پاک کے سیاسی افق پر خاص کردار ادا کر رہی تھیں، جمعیت علمائے ہند کانگریسی سیاست کی حامی تھی، جب کہ جمعیت علمائے اسلام لیگ یا جمعیت اسلام پاکستان کی حمایت میں تھی، اوّل الذکر تنظیم کی قیادت حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے ہاتھ میں تھی تو ثانی الذکر کے روح رواں حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثانی یا مولانا مفتی محمود صاحب صاحبان تھے۔ دونوں کی قیادات کے مواقف اپنی اپنی جگہ پر صحیح تھے۔ ظاہر ہے کہ دونوں تنظیموں کی قیادت علمائے دیوبند سنبھال رہے تھے ۔ نہ جمعیت علمائے ہند کا سیاسی موقف غلط تھا، اور نہ جمعیت علمائے اسلام کی سیات محل نظر تھی۔

پھر ارکان اور برما میں ان دونوں تنظیموں کی خوشہ چین دو جماعتیں بنیں ۔ ایک جمعیت علمائے اسلام اور دوسری کونسل برائے امور دینیات یا امور مذہبی ۔ اوّل الذکر کا سیاسی تانا بانا جمعیت علمائے اسلام (پاکستان) سے تھا تو ثانی الذکر کا سیاسی انداز جمعیت علمائے ہند جیسا تھا ۔ برصغیر ہندو پاک کی طرح یہاں بھی دونوں جماعتوں کی قیادت مجموعی طور پر علمائے دیوبند کر رہے تھے۔ جمعیت علمائے اسلام ارکان اور برما کے سیاسی موقف و کردار پر راقم سطور کا کوئی کلام نہیں، جس کی قدرے تفصیلات پچھلی سطور میں بھی گزر چکی ہیں، تاہم کونسل برائے امور دینیات پر جہاں تک اطلاعات ہیں، ان کے تناظر میں عرض ہے کہ اگرچہ اس کی قیادت بھی مجموعی طور پر دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے فضلائے کرام کے ہاتھ میں تھی، مگر اس کونسل نے بعض ملّی اور قومی امور میں انحراف سے کام لیا تھا۔ البتہ یہ الگ بات ہے کہ یہ کونسل شروع ہی سے حکومت برما کی وزارت برائے امور مذہبی کے زیر اثر یا زیر سر پرستی رہ چکی تھی، اسی لئے ہوسکتا ہے کہ اس انحراف میں اس کی خاص مجبوریاں بھی اور معذوریاں بھی رہ چکی ہوں ۔

پھر جہاں تک پتہ چلا کہ ان دونوں جماعتوں کے تصورات میں اپنی اپنی تاسیس کے زمانے سے اونو کے جمہوری دور حکومت کے روز آخر تک بڑی وسعت اور ایک معنی میں آفاقیت تھی۔

اس آفاقیت و وسعت کی بنیاد پر خاص طور سے جمعیت علمائے اسلام نے بڑی بڑی دینی اور قومی خدمات انجام دیں۔ مگر ملک پر فوجی ڈکٹیٹر نیون کے تسلط یعنی ۱۹۶۲ء کے بعد دونوں کی دونوں جماعتوں کی سرگرمیاں بالکل محدود ہوگئیں ۔ بس مسلمانوں کے چند عائلی یا معاشرتی امور تک ان کی سرگرمیاں تھیں ۔ ویسے برما بھر کی بات تو میں نہیں کہہ سکتا، یہاں ارکان میں دیکھا گیا تھا کہ مسلمانوں کے عائلی یا معاشرتی امور کے حوالے سے کوئی مسئلہ درپیش ہوا تو دونوں جماعتوں کے اصحاب حل وعقد نکل پڑتے تھے۔ اور دونوں طرف سے فتاوی بازی کا دوڑ شروع ہو جاتا تھا۔

یہاں اس موقع پر یہ بھی بتا تا چلوں کہ ہمارے بعض لوگ ارکان کے علماء اور خاص طور پر ان علماء جو مرجعیۃ کی حیثیت رکھتے اور عوام تو عوام اور خواص بھی انہیں اپنے مقتدا مانتے ہیں کو یہ کہہ کر کوستے ہیں کہ یہ حضرات جہاد سے پہلو تہی کرتے ہیں ۔ اس لئے ان کے نزدیک یہ حضرات سخت عافیت کوش ہیں، اور ان علماء میں سے مخصوص طور پر دور آخر کے ہمارے ممدوح معروف شیخ الحدیث حضرت مولانا سید الامین اور مولانا مفتی سلطان احمد ریدوی، حضرت مولانا عبد السبحان گھراخالوی معروف بہ محدث صاحب، حضرت علامہ جناب مولانا محمد سلطان صاحب پوئمالوی، حضرت مولانا شاہ مظفر احمد صاحب منگزوی رحمهم اللہ وغیرہ پر اظہار خیال کرتے ہیں کہ اگر یہ اور ان جیسے لوگ جہاد کے لئے میدان میں اترتے تو ارکان اور ارکان کے مسلمان کب کے آزاد ہو گئے ہوتے، یہ اور ان جیسے حضرات سست اور عافیت کوش ہونے کی وجہ سے ہمارے قومی کام اتنے پیچھے رہ گئے ہیں، اور ان بزرگوں پر یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا قرآن اور سنت ان لوگوں کو ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کے ایسے نازک حالات میں جہاد کی تلقین نہیں کرتی ؟ یا قرآن وسنت کو سمجھنے سے یہ لوگ سرے سے قاصر ہیں؟ ؟ اب ہم ان لوگوں پر کئے گئے شبہات اور سوالات پر کچھ تجزیے سامنے لاتے ہیں، تو لیجئے:

(ا) سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ مفروضہ ہی غلط ہے کہ سارے علمائے کرام دیگر ساری ضروری دینی کاموں کو چھوڑ کر بس سیاست وقیادت سے وابسطہ ہو جائیں، تقسیم کار کے اصول کا

تقاضا ہی یہی ہے کہ تمام علماء سیاست وقیادت کے لئے وقف نہ ہو جائیں، کچھ ان میں سے اس کارخیر کے لئے وقف ہو جائیں تو باقی درس وتدریس، تعلیم وتعلم، رشد ہدایت اور دعوت و ارشاد کے کام سے وابسطہ رہیں، تاکہ دینی ضرورت کے سارے کام اعتدال اور توازن کے ساتھ چلتے رہیں، اور دینی کام کے حوالے سے کسی شعبے میں خلا پیدا نہ ہو۔ پھر بعد ازاں اس بات کی تفاصیل آج کل ہر کجا مل جاتی ہیں کہ تقریبا ایک صدی پر محیط ارکان اور ارکان کے مسلمانوں پر کیا کچھ بیتا ہے، تو ایسی مشکل اور مصیبت کی حالت میں علمائے ارکان نے دعوت و تبلیغ، رشد و ہدایت، علوم دینیہ کے درس و تدریس، وعظ و تلقین اور وقت وقت پر ان مظلوم مسلمانوں کے ساتھ رہتے ہوے ان کی ہر ممکن رہنمائی کا فریضہ انجام دیا، اگر ان حضرات کی یہ کوششیں نہ ہوتیں، تو آج ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ اس سرزمین کی حالت اسپین سے کچھ مختلف نہیں ہوتی، ان کے ہر مشکل اور نازک حالات میں صبر وثبات اور عزم واستقلال کے مظاہرے کرتے ہوے دین کی بقاء واز دھار کی کوششیں، کیا کسی عزیمت وجہاد سے کم ہیں؟

(۲) میرے علم کے مطابق سرزمین ارکان کے یہ اور ان جیسے علماء عافیت کوش ہرگز نہیں ہیں، یہ حضرات قرآن وسنت اور اس کی روشنی میں دکھائے گئے تقاضوں اور طریقوں سے اچھی طرح واقف ہیں، اسی طرح حالات کی نزاکت سے بھی بخوبی آگاہ، یہاں بات تو یہ ہے کہ جو لوگ ان علماء پر شبہ ظاہر کرتے ہیں، ان لوگوں کو شاید یہ علم ہے کہ جہاد اور قتال میں ایک بنیادی فرق بھی موجود ہے، جبکہ علماء کو اس فرق کا بخوبی علم ہے، اور اس بات کا بھی علم ہے کہ جہاد اسلامی اپنے وقت پر ایک شرعی حکم ہے، جسے انجام دینے کے لئے شرائط بھی ہیں، ان شرائط کو پورے کرنے کا ایک موٹا نام اعداد جہاد ہے، اس حوالے سے اللہ تعالی کا فرمان ملاحظہ کیجئے:

﴿واعدوا لهم مااستطعتم من قوه ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم﴾

تو ظاہر ہے کہ اعداد جہاد، یا شرائط جہاد کے پورے کرنے کے حوالے سے کی جانے والی کوششیں بھی جہاد ہیں، شرائط پورے کئے بغیر وقت کی نزاکت اور تقاضے سے پہلوتہی کے ساتھ جہاد وقتال کے نام سے میدان میں قدم کسی بھی حالت میں ڈالا نہیں جا سکتا، مگر آج

معذرت کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے کچھ جذبات کے شکار لوگ جہاد وقتال جیسے اتنے اہم اور ذمے دارانہ شرعی عمل کو بچوں کا کھیل بنا رکھا ہے، اور تو اور وہ علماء جو جہاد، قتال اور نفیر عام جیسے دینی وشرعی الفاظ اور اس کے رازہائے سربستہ سے واقف ہیں، نازک وقت پر ان کی طرف رجوع کئے بغیر بعض عوام اور مساٹیر حضرات (دانشوران) جن کو جہاد، قتال اور نفیر عام کے تقاضے، نزاکت اور مسائل اور ان کی گہرائی اور گیرائی کا علم نہیں، وقت وقت پر جہاد، قتال اور نفیر عام کا اعلان کر دینے لگتے ہیں، جہاد وقتال کے حوالے سے ماضی میں کئے گئے ان لوگوں کی تمام کارکردگیاں تاریخ کی ریکارڈ میں محفوظ ہیں، شرائط پورے کئے بغیر کی گئی ان کی بچپناہٹ کا منطقی انجام کیا ہوا، قوم ملت کو ان کی کارکردگیوں سے فائدہ ہوا یا نقصان؟ یہ اور ان جیسے سوالوں کے جوابات شاید ان کے پاس موجود ہیں۔

(۳) ادھر یہ بات تو سرے سے غلط ہے کہ علمائے ارکان سست اور عافیت کوش ہیں، ۱۹۴۸ء میں تحریک جہاد کے بانی بھی تو ایک دینی مدرسہ کے ساختہ پرداختہ عالم ہی تو تھے، جن کو تاریخ ارکان مجاہد اعظم حضرت قوال کے نام سے یاد کرتی ہے، جن کے احباب اور رفقائے کار میں ہم جانتے ہیں کہ بہت سارے صائب الرائے وصاحب بصیرت، مستعد وجید علماء کرام بھی تھے۔ البتہ یہ ایک الگ بات ہے کہ مسلح جدوجہد سے پہلے تو انہوں نے بھی امن پسندی کا مظاہرہ کیا، اور ہمارے مسائل کو پر امن طریقے سے حل کرنا چاہا تھا، مگر بعد میں ان کی مسلح جدوجہد ایک طرف ۱۹۴۲ء اور اس سے پہلے اور بعد میں کئے گئے مظالم اور قتل عام کے ردعمل تھی تو دوسری طرف وحشی مگھوں اور جابر برمیوں کی قدم قدم پر مسلمانوں کے ساتھ سیاسی بے ایمانی، اسلام اور اس کے رکھوالوں کے خلاف طرح طرح کی سازشوں اور پروپیگنڈوں نے ان بزرگوں کو خاصے غور وخوص کے بعد اس نتیجہ تک پہنچا دیا تھا کہ مسلح جدوجہد کے سوا ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کی بقاء کے لئے اور کوئی چارہ نہیں ہے، انہوں نے جہاد وقتال کے لئے تیاریاں کیں، اور اپنی مسلح جدوجہد کو جہاد اسلامی کا نام دیا، اب ہم ان کے مسلح جہاد وقتال کے حوالے سے اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے گوریلا قسم کی جنگ کے لئے ایک حیثیت سے اس وقت

کے مطابق تیاریاں کرلی تھیں، جن کا اندازہ ان کی دشمن کے ساتھ کی گئی جنگوں سے لگایا جاسکتا ہے، البتہ ان بزرگوں کی کامیابی اور ناکامی کے حوالے سے بہت سی باتیں اور حقائق موجود ہیں، ان میں سے کچھ جاننے کے لئے راقم سطور کی تصنیف سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی پس منظر میں پر نظر ڈالی جاسکتی ہے۔ مگر پھر بھی ہمارے لئے آج یہ کہنا بڑا مشکل ہے کہ ان بزرگوں نے اس دور میں بھی جہاد اسلامی کے نام سے مسلح جدوجہد کا جو فیصلہ لیا تھا، وہ کہاں تک صحت پر مبنی تھا، آیا ۱۹۴۸ء کے بعد ہم پر مزید ڈھائے گئے مظالم پر مظالم کہیں ہمارے ان بزرگوں کی جہادی سرگرمی کا ردعمل تو نہیں تھے؟ مسائل سلجھنے کی جگہ الجھ تو نہیں گئے تھے؟؟ اس کا جذباتیت سے بلند حقیقت پسندی کے ساتھ بھرپور تجزیہ ہم سے زیادہ ہمارے ماہر اہل فکر و دانش کرسکتے ہیں، مگر مجھے ذاتی طور پر ان بزرگوں کی دانش مندی، دور بینی، اخلاص وللّٰہیت، سیاسی بصیرت اور فکری دوراندیشی پر اطمینان ہے کہ انہوں نے اتنے اہم قومی وملی فیصلے کو بغیر سوچے سمجھے نہیں کیا ہوگا۔ جو کچھ بھی کیوں نہ ہو، ان بزرگوں کے پاس اخلاص تھا، للّٰہیت تھی، ملت وقوم کی راہ میں مر مٹنے کے جذبات تھے، ایثار تھا، ہمدردی تھی، انہوں نے اپنی استعداد اور استطاعت کے مطابق بہت کچھ کیا اور کر دکھایا، مگر ان کے بعد آنے والے ان دانشوروں نے کیا کیا؟ گھبرائے مت!! وہ بھی ہمارے سامنے اور تاریخ کی ریکارڈ میں محفوظ ہے، یوں تو ہمارے ان مدعیان علم و دانش نے ہمارے ان بزرگوں کے چہرۂ زیبا پر جہالت اور نادانی کے ٹھپے لگاتے نہیں تھکتے، ان کی دشنام طرازی کرتے اور ان پر طرح طرح کے الزامات لگاتے، ان کی کردار کشی کرتے، ان کا مذاق اڑاتے اور ان پر پھبتیاں کستے ہیں، میری ان دور آخر میں آنے والے دانشوروں سے معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ آخر ان ہمارے بزرگوں کی اکثریت نے اور تو اور ملت وقوم کی راہ میں اپنی اپنی قیمتی جانوں کے نذرانے پیش کئے تھے، ان سے بڑھ کر اخلاص وللّٰہیت کے کیا مظاہرے ہو سکتے ہیں؟ آپ اور ہم بھی تو خلوت وجلوت میں اخلاص وللّٰہیت کی تار چھیڑتے ہیں، ان لوگوں نے راہ خدا میں جانوں کی قربانیاں دیں، آپ اور ہم نے اللہ کی راہ میں دی جانے

والی قربانیاں کھائیں، یہ تو ہے ہم اور ان کے مابین بنیادی فرق!!!

(۴) روہنگیا مسلمانوں کی سیاسی اور انقلابی تاریخ ہمارے سامنے ہے، ہمارے بزرگوں نے اور بعد میں آنے والے ان کے متبعین نے بھی درجنوں تنظیمیں بنائیں، ماشاءاللہ آج کل کا حال تو یہ ہے کہ اس قوم کے ہر کس ناکس کو تنظیم بنانے کی لت لگی ہوئی ہے، مگر ماضی اور حال کی ساری تنظیموں پر میرا اتنا ہی کہنا ہے کہ ہماری کوئی بھی تنظیم آج تک ایک بامعنی ادارہ (institution) کی شکل اختیار کرنہیں پائی، سیاسی تنظیم ہو یا انقلابی، بننے میں دیر، بگڑنے میں دیر نہیں، سردست، ان کے بننے بگڑنے کے اسباب و وجوہات پر بحث کرنا نہیں چاہتا، البتہ اتنا ضرور عرض کرنا چاہتا ہوں، خاکم بدہن! ان تمام جماعتوں میں سے ایک بھی جماعت آج تک اصولی طور پر ملت اسلامیہ ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کی صحیح معنی میں نمائندگی کا حق ادا نہیں کرسکی، میرے اس دعوی پر کہیں کسی کا دل دکھے تو اللہ کا واسطہ دے کر میں اس سے معذرت کے ساتھ عرض کروں گا، کہ جناب! یہاں راضی اور ناراضگی، خوشی اور غمی جیسے وقتی جذبات کی بات نہیں ہے، بلکہ سوچنے، سمجھنے، عقل وتدبر کو بروئے کار لا کر جوش کے بجائے ہوش کو جگانے کی بات ہے، نرے جذبات اور خوش فہمی سے شاید دل ودماغ کو وقتی طور پر تسکین دیا جاسکتا ہے، مگر دن کو رات اور رات کو دن نہیں کیا جاسکتا، ہم اب بھی ماضی اور حال کے زمینی حقائق وواقعات کے صحیح اندازے کرنے میں غلطی کریں گے، تو ہم یقینی طور پر کہتے ہیں کہ ہمارے مستقبل بھی ماضی اور حال کی طرح گپ اندھیری پگڈنڈی میں ٹھٹھر کر رہ جائے گا، تو ایسے حالات میں ارکان کے وہ جانے مانے مدبر اور صاحب بصیرت علماء، جن پر بعض نادان عافیت کوش ہونے کا طعنہ دیتے ہیں، ان تمام زمینی حقائق سے پوری طرح آگاہ تھے، جن کی دلی تمنا اور کوشش ہمیشہ یہی رہی تھی کہ روہنگیا مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت ہو، جو ملت اسلامیہ ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کی صحیح اور برمحل نمائندگی کر سکے، جو ایک بامعنی ملی اور قومی ادارہ ہو، جہاں ایسے افراد بنے، جو گفتار کے غازی نہیں کردار کے غازی ہوں، اور جو میدان سیاست وانقلاب اور دیگر شعبہائے زندگی کے رہنما

اورشہسوار بن سکے،مگران دانا بینااور روشن ضمیر علماء کی دلی آرزوؤں پر کن لوگوں نے پانی پھر دیا تھا،اور کن کن شازشوں اور پروپیگنڈوں نے وقت وقت پر رنگ دکھائے تھے،آج تفاصیل بیان کروں تو اندیشہ ہے کہ ہمارے مابین تلخیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا،جس سے فائدہ تو کچھ نہیں ہوگا،البتہ نقصان یقینی ہے۔

(۵) اس بات سے کون اہل علم ودانش ناواقف ہے،کہ جہاداورفسادسرے سے ایک دوسرے کا متضاد،مخالف اور متعاکس امر ہے،جس طرح آگ اور پانی بظاہر ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتا، اور طبعا ایک دوسرے کا مخالف ہے،ٹھیک اسی طرح جہاداور فساد فطرۃ ایک دوسرے کا ضد ہے، جنہیں ایک جگہ جمع کرنا ناممکن،اسلام کا جہاد تو بنیادی طور پر اللہ کی زمین میں فساد کی روک تھام اور فساداور فسادیوں کو قلع قمع کر کے امن وسلامتی کو قائم کرنے کی جدو جہد کا دوسرا نام ہے،تا کہ اللہ کی زمین میں اللہ کی عبادت کرنے والوں کے لئے کوئی دشواری،پریشانی اور ان کے خلاف باطل وطاغوت کی طرف سے کوئی مزاحمت نہ ہوسکے،اس حوالے سے فرمان الٰہی ہے:

﴿وقاتلوا فی سبیل اللہ حتی لا تکون فتنة ویکون الدین کله لله﴾

یوں جہاد کی ایک آخری شکل قتال ہے،اور یاد رہے کہ ہر جہاد قتال نہیں اور ہر قتال جہاد ہے،اس لئے شاید عمومی طور پر قتال فی سبیل اللہ کو بھی جہاد فی سبیل اللہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے،آج کل تو ہماری حالت یہی ہے کہ ہمارے ہر کس و ناکس ایک ایک جماعت (نام نہاد) کے نام لئے جہاد وقتال جیسی ایک عظیم عبادت کو کھیل بنالیا ہے،ان کا حال کچھ ایسا ہے کہ:

☆ نہ ان کی کوئی باضابطہ تنظیم ہے،جو جہاد وقتال کے لئے موزون ہو۔

☆ نہ ان کے پاس ایسی افرادی قوت ہے،جو اس اکیسویں صدی میں جہاد وقتال جیسے کام کے لئے تربیت یافتہ ہوں،اور جو اس کی حکمت عملی ترتیب دینے اور اس پر عملی اقدامات کرنے کی قابلیت رکھتے ہوں۔

☆ نہ یہ لوگ اندرون وطن میں ہیں،کہ پتے کے افراد مرتب کر سکے،سارے کے سارے خارج وطن،جہاد وقتال کی راگنی الاپے،بس نرے جذبات کے سمندر میں تیرتے ہوئے۔

☆ نہ ان کے پاس مادی وسائل ہیں اور نہ میرے خیال میں معنوی قوت،جنہیں بنیاد بنا کر اعداد کی سرگرمیاں ہوسکیں۔

☆ نہ ان لوگوں کی آپس میں تنسیق ہے،صرف یہی نہیں بلکہ ان کے مابین جہاں تک نظر آرہی ہے رسہ کشی،مخاصمت،اور نفرت وعداوت کی فضا چھائی ہوئی ہے۔

☆ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جہاد وقتال جیسی ایک اہم اور عظیم عبادت کے لئے بطور پیش بندی ہی سہی اسلام میں جن شرائط اور اصولوں کی پابندی ضروری سمجھی گئی ہے،یہاں ان لوگوں میں سرے سے نظر نہیں آرہی ہے۔

مزید برآں،مذکورہ اور اگلی سطور میں آنے والے کچھ حالات کے پس منظر میں ہمارے علماء،بشرطیکہ جو مستند بھی ہوں اور ہماری زمینی حقائق،علاقائی اور بین الاقوامی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارے ایسے مشکل اور حل طلب معاملات میں صحیح اور برمحل فیصلہ دینے کی قوت، استعداد اور قابلیت رکھتے ہوں،کیا فرمائیں گے کہ:

(۱) برمی جمہوریت کے دور میں ہم وہاں کے شہری تھے،اب ہماری شہریت اگر چہ غیر آئینی اور غیر انسانی طور پر کیوں نہ ہو ختم کر دی گئی ہے۔

(۲) ایک طویل مدت تک برمی پارلیمنٹ میں ہماری جائز آواز اٹھی اور سنی بھی گئی،آج ہماری آواز نہ اٹھنے اور نہ سنی جانے کی برابر ہے،اگر کچھ باتیں کہی بھی جاتی ہیں،مگر یہاں ہر باتیں ان سنی کر دی جاتی ہیں۔

(۳) ماضی میں جہاد وقتال کے حوالے سے اٹھی ہوئی زیر زمین جماعات نسبتا یا کسی قدر مضبوط،مستحکم،منظم،اور مرتب تھیں،آج اس حوالے سے کچھ بھی نہیں،بلکہ ہمارے افراد ذہنی و فکری،اور جسمانی اور روحانی غرض ہر اعتبار سے منتشر،غیر منظم،اور مفلوک الحال ہیں۔

(۴) برما کی آزادی کے بعد ہماری زیر زمین کام کرنے والی جماعتیں اندرون وطن میں تھیں اور اندر ہی میں رہ کر کام کرسکیں،آج یوں تو اس حوالے سے کام کرنے والی کوئی منظم جماعت ہی نہیں ہے،،البتہ جہاد وقتال کے نام سے کچھ راگ آلاپنے والے افراد ضرور ہیں،سارے

کے سارے وطن سے باہر یا ہزاروں میل دور، مہجور و رنجور۔

(۵) ہمارے اگلوں کے دور میں ایک طرف برما میں کسی قدر جمہوریت یا دوسرے الفظ میں جمہوری روایات تھیں، جہاں انسانیت کی کچھ نہ کچھ باتیں سنی جاتی تھیں، بعد میں برما کلی طور پر سوشل ازم کا حامی پھر عسکری ملک بنا ہوا ہے، ادھر برما کے جمہوری دور میں ہمارا مجاور ملک ایک عظیم طاقور مسلم ملک تھا، جبکہ آج کل ہمارا مجاور ملک ایک تو کم زور، پھر ہماری تمام جائز جد وجہد اور قانونی سرگرمیوں تک کا مخالف، بلکہ ایک حیثیت سے ہمارے دشمن کے ہاں سے ہاں ملایا ہوا ہے۔

(۶) پھر ہمارا دوسرا مجاور ملک، جو ایشیا کا ایک طاقتور (super power) ملک ہے، جسے ایک طویل زمانے تک ہمارے معاملہ سے بظاہر کسی قدر دور دیکھا جاتا تھا، آج کل معاملہ اس کے سرے سے برعکس، اس نے بالخصوص ہمارے زیر زمین کام کرنے والوں کے معاملے کو اس کا داخلی معاملہ جیسا بنالیا ہے، جس کے مختلف اسباب میں سے ایک سبب شاید یہ بھی ہو کہ: کہا جاتا ہے کہ ماضی قریب میں ہماری زیر زمین کام کرنے والی کسی جماعت اور اس کے بعض نا عاقبت اندیش لیڈروں کی کچھ نا عاقبت اندیشانہ حرکات کو اس ملک نے اپنی داخلی سلامتی کے لئے خطرہ سمجھا تھا، جس کا خمیازہ ایک طرف تو اس جماعت اور اس کے ان نا عاقبت اندیش لیڈروں کو بھگتنا پڑا، پھر دوسری طرف اس جماعت اور اس کے قائدین کے خلاف کئے گئے اقدامات کے نتیجے میں روہنگیا مسلمانوں کو بھی اپنی رہی سہی قوت سے ہاتھ دھونا پڑا، مذکورہ ان دونوں ملکوں اور بطور خاص شدت پسندی کے حوالے سے برمی حکومت کے مفادات مشترکہ ہو گئے یا کر لئے گئے ہیں، اور انتہا پسندی کے خلاف اقدامات کے حوالے سے نہ صرف یہ تینوں ممالک آپس میں ملے ہوے ہیں، بلکہ ان تینوں ملکوں کے اقدامات کو شدت پسندی کے خلاف اقوام عالم کے اقدامات کے تناظر میں بھی مطالعہ کیا جا رہا ہے۔

(۷) علاقائی اور بین الاقوامی رائے بشمول عالم اسلامی، علی العموم جہاد وقتال نام کی کسی بھی سرگرمیوں کی مخالف ہے، بالخصوص ہمارے معاملہ کا جہاں تک تعلق ہے، اسے مسلح جد وجہد

کے بجائے پرامن طریقے سے حل کرنے کی حامی، جبکہ ہمارا مسئلہ خصوصی طور پر ۲۰۱۲ء میں کئے گئے قتل عام کے بعد اقوام عالم یا دوسرے الفاظ میں بین الاقوامی فورموں میں زیر بحث ہے، بلکہ کسی حد تک زیر عمل بھی، تو ایسے حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہئے، آیا ہم جہاد و قتال کی تیاریاں کریں یا پرامن طریقے کو اپنائیں، یا ان دونوں طریقوں کو بیک وقت اپنانے کی ضرورت ہے؟ یہ تو سچ ہے کہ کوئی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ پرامن طریقے سے ہمارا مسئلہ کلی طور پر حل ہو جائے گا، پھر ہمارے لئے جہاد وقتال کی تیاریاں ناگزیر، تو وسائل ہیں کہاں، ہمیں تو بظاہر اس حوالے سے کچھ بھی نظر نہیں آرہا، اگر کسی کے پاس یہ اور ان جیسے سوالوں کا کوئی معقول اور اصولی جواب ہے، تو فرمائیے کام اور کام کو عملی جامہ پہنانے کے طریقے اور حکمت عملیاں کیا ہیں؟

چلتے چلتے ہمارے قارئین کے علم کے لئے اور ایک بات بتاتا چلوں کہ حال ہی میں ہماری ایک معروف تنظیم کے شہرت یافتہ لیڈر، قائد، رہنما اور کہنے میں ایک معمر و تجربہ کار ہستی جن کو مسلح جد وجہد اور ان کے الفاظ میں جہاد وقتال کے بغیر اور کسی بھی طریقے (بشمول پرامن طریقے) سے ہمارے مسائل حل کئے جانے پر سرے سے یقین نہیں، وہ اپنے علم و دانش، اور ماضی کے طویل تجربات کو بنیاد بنا کر فرماتے ہیں:

> ''ہم اپنے علم وبصیرت اور ماضی کے طویل تجربات سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہمارے مسائل جہاد وقتال کے بغیر کسی اور طریقے سے حل نہیں ہونے والے، پھر ماضی میں ہم نے اپنی تنظیم کی کتنی مجلس شوری بنائی، کتنی مجلس عاملہ کی تشکیل دی، مگر ان سے فائدے کے بجائے نقصان زیادہ ہوا، اس لئے میں نے اپنی تنظیم جس کا میں امیر ہوں، فیصلہ کرلیا کہ: میں اپنی تنظیم کے بحیثیت امیر تمام امور (بشمول سیاسی، عسکری، مادی اور تنظیمی وغیرہ) کا فیصلہ بلا شرکت غیر خود ہی کروں گا، یعنی سارے کے سارے اختیارات میرے پاس ہوں گے، کسی کے لئے کوئی مجال نہیں ہوگی کہ میرے یعنی امیر کے سامنے دم

مارے، البتہ میں ضرورت پر اپنی جماعت کے اصحاب رائے سے مشورہ کروں گا، مگر اجتماعی طور پر نہیں، بلکہ انفرادی اور خصوصی طور پر، یعنی جو جس کام پر یا جن امور میں مہارت رکھتا ہوگا، اس کام یا ان امور پر بوقت ضرورت اس سے مشورہ کیا جائے گا۔ میری جماعت ایک اسلامی اور نظریاتی جماعت ہے، جسے اسلامی تحریک بھی کہا جا سکتا ہے، قرآن وسنت اس کا دستور اور سیرت پاک اور تعامل صحابہ اس کا مشعل راہ ہے، یوں میں نے جو کچھ سیکھا ان سے سیکھا، اور عمل بھی ان کے مطابق کیا جائے گا، چونکہ رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم نے شوری اور عاملہ نامی کوئی مجلس نہیں بنائی، اسی طرح خلفائے راشدین نے بھی، سو ہمارے لئے بھی اس کی کوئی ضرورت نہیں، یوں ساری طاقت (powers) امیر کے پاس ہوگی، وہ جسے جس کام کے لئے مناسب سمجھیں گے، استعمال کریں گے، اور میرے مذکورہ ان اصولوں پر سوچ سمجھ کر کوئی متفق ہوگا تو وہ میرے ہاتھ پر بیعت کے ذریعے جماعت میں داخل ہو سکے گا، اور کسی دوسرے طریقے سے نہیں،، (مفہوم نہ کہ الفاظ)

آنجناب کے ان مذکورہ خیالات پر بعض حلقوں بلکہ خود ان کی تنظیم کے اعلی اراکین اور ممبران نے ایسے سوالات اٹھائے ہیں کہ:

(۱) جناب! چونکہ آپ کی تنظیم آپ کے مطابق ایک اسلامی تنظیم بلکہ ایک اسلامی تحریک ہے تو اب قرآن کریم میں اللہ تعالی کا اس ارشاد: ﴿ وامرھم شوری بینھم ﴾ کا کیا مطلب اور کیا مفہوم ہوگا؟ کہیں شوری بینھم سے شوری بنانے کی طرف اشارہ تو نہیں؟

(۲) اللہ کے برگزیدہ اور آخری رسول صل اللہ علیہ وسلم پر تو وقت وقت پر وحی آیا کرتا تھا، جس کا سلسلہ آنحضرت صل اللہ علیہ وسلم پر ختم، اور آپ۔۔۔۔؟؟

(۳) خلفائے راشدین بشمول تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین آپ صل اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے، جبکہ حضور آپ؟؟؟

(۴) آپ کے مذکورہ اصولوں کو ڈکٹیٹرشپ کا نام نہ دیا گیا، تو بھلا ڈکٹیٹرشپ کس بلا کا نام ہوگا، آیا وہ کوئی عنقاء تو نہیں، جس کا وجود دنیا میں نہیں، صرف اور صرف انسان کے ذہن میں ہو؟؟؟؟

اور کیا دیکھا آپ نے! کہ ہمارے لوگوں میں کتنی خوبیاں آگئی ہیں:

خوبی ہمین کرشمہ وناز حرام نیست

بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

خاکسار:

محمد طاہر جمال ندوی

(دار البحوث والمناصرة الاسلامية، چاٹگام، بنگلہ دیش)

ارکان اور اس کے متعلق بعض نمایاں تاریخی واقعات

۲۶۶۶ق م ۔ سے دھنووتی ردھنیاودی پہلے عہد حکومت، جس کا سلسلہ ۸۰۰ق م تک جاری تھا۔

۸۲۵ق م ۔ سے دھنووتی ردھنیاودی دوسرے عہد حکومت، جس کا سلسلہ ۷۸۸ء تک جاری تھا۔

۷۸۸ء ۔ ویسالی دور حکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۰۱۸ء تک جاری تھا۔

۹۵۷ء ۔ ارکانی راجا چولاٹنگ چندرا کے زمانے میں ارکان پر منگولوں کا حملہ، اور ارکان کی تاخت و تاراج۔

۱۰۱۸ء ۔ پن سا پہلے دور حکومت کی ابتداء، جو ۱۱۰۳ء میں اپنی انتہاء کو پہنچی تھی۔

۱۱۰۳ء ۔ پارن دور حکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۱۶۷ء تک جاری رہا۔

۱۱۶۷ء ۔ کریٹ دور حکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۱۸۰ء تک جاری تھا۔

۱۱۸۰ء ۔ پن سا دوسرے دور حکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۲۳۷ء تک جاری تھا۔

۱۲۳۷ء ۔ لنگریٹ دور حکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۴۰۴ء تک جاری تھا۔

۱۴۰۴ء ۔ برمی غاصب راجا ''من کھاؤن'' کا ارکان پر حملہ، نرامیخلا کی ارکان کی سلطنت سے بے دخلی۔

۱۴۰۴ء ۔ ارکانی باشاہ نرامیخلا (محمد سلیمان شاہ رمن سامون) کا ترک وطن یا جلاوطن۔

۱۴۳۰ء ۔ سلیمان شاہ کی ارکان واپسی اور مروکو حکومت کی بنیاد، جس کا سلسلہ ۱۷۸۴ء تک جاری تھا۔

۱۶۶۰ء ۔ بدنصیب مغل شہزادہ شجاع کی ارکان میں آمد، بعد میں اس کا مع اہل وعیال قتل۔

۱۶۶۶ء ۔ مگھ اور پرتگیز لٹیروں کی وجہ سے مختلف آلام و پریشانیاں۔

۱۷۱۰ء ۔ ارکان میں خانہ جنگی، اور وسیع پیمانے میں نقصانات۔

۱۷۸۴ء ۔ برمی غاصب راجا بودھوپھیا کا ارکان پر حملہ و قبضہ، اور اس کی دہشت گردی، اور قتل عام۔

۱۷۹۶ء ۔ تیس ہزار ارکانیوں (مگھ رمسلمانوں) کا ترک وطن اور بنگال میں ان کی پناہ۔

۱۷۹۸ء ۔ جنرل علیہ بائنگ رعلی بھائی (مسلمان) وغیرہ کی برمی غاصبوں سے آزادی کی جدوجہد۔

۱۸۱۱ء ۔ سین فیا (KINGBERING) اور مسلم لیڈروں کی قیادت میں ہونے والے انقلاب کی ناکامی۔

۱۸۲۵ء ۔ پہلی انگلو برمن جنگ۔

۱۸۲۶ ۔ ارکان پر برطانیہ کا قبضہ۔

۱۹۳۰ء ۔ برمی مسلم تاجر'' اوباؤ '' کے تعاون سے برما مسلم سوسائٹی کا قیام۔

۱۹۳۰ء ۔ مگھ ڈاکو (بورینگ اونگ) اور اس کے حواریوں کی بربریت اور مسلمانوں کی بڑے پیمانے سے ہجرت۔

۱۹۳۰ء ۔ وسطی، تحتی برما اور ارکان میں مسلمانوں کا قتل عام اور مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۳۳ء ۔ روہنگیا جمعیت علمائے اسلام ارکان کی بنیاد۔

۱۹۳۶ء ۔ برطانوی ہند سے برما کی انتظامی علیحدگی، اور ملک بھر سے مسلمانوں کا کریک ڈاؤن۔

۱۹۴۲ء ۔ رنگون پر جاپانیوں کا قبضہ۔

۱۹۴۲ء ۔ ارکانی مسلمانوں کا تاریخی قتل عام، اور بڑے پیمانے پر ان کی ہجرت۔

۱۹۴۲ء ۔ منگڈو، بوسیدنگ اور راسیدنگ پر مشتمل تاریخی ''مسلم ریاست'' کا قیام۔

۱۹۴۵ء ۔ ارکان میں برطانویوں کی دوبارہ واپسی۔

۱۹۴۵ء ۔ ''برما مسلم جنرل کونسل'' نامی تنظیم کا قیام۔

۱۹۴۵ء ۔ مسٹر عبدالرزاق کی صدارت میں برما مسلم کانگرس کا قیام۔

۱۹۴۶ء ۔ مسٹر عبدالرزاق کی سربراہی میں پمنا رپیومنا مسلم کانفرس کا انعقاد۔

۱۹۴۷ء ۔ سازش پر مبنی بدنام زمانہ ''پیلونگ کانفرنس'' کا انعقاد۔

۱۹۴۷ء ۔ برمی قانون ساز اسمبلی کے انتخابات۔ جس میں ارکانی مسلمانوں کو قانونی طور پر نمائندگی ملی تھی۔

۱۹۴۷ء ۔ محمد جعفر حسین قوال کی زیر قیادت ''جہاد کونسل'' کی تشکیل اور ظالموں کے خلاف اعلان جہاد۔

۱۹۴۸ء ۔ برطانیہ سے برما یا برمیوں کو حصول آزادی۔

۱۹۴۸ء ۔ محمد قاسم بن عطاء الدین کی قیادت میں ''مجاہد پارٹی'' کا قیام۔

۱۹۴۹ء ۔ مولانا مظفر احمد کی زیر صدارت انجمن مہاجرین ارکان کا قیام۔

۱۹۵۰ء ۔ بی ٹی ایف کی بربریت، ہزاروں مسلمانوں کی شہادت اور ہزاروں کی ہجرت۔

۱۹۵۰ء ۔ بانی تحریک آزادئ ارکان محمد جعفر حسین قوال کی افسوسناک شہادت۔

۱۹۵۱ء ۔ آزاد برما میں قومی اسمبلی کے پہلے عام انتخابات۔

۱۹۵۴ء ۔ ارکان میں بنگالی مگھوں کا دخول عام، مسلم بستیوں پر قبضہ، مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۵۶ء ۔ برمی قومی اسمبلی کے دوسرے انتخابات۔

۱۹۵۹ء ۔ ارکان میں اور ایک مرتبہ بنگالی مگھوں کا دخول عام، مسلم بستیوں پر قبضہ، مسلمان ترک وطن پر مجبور۔

۱۹۶۰ء ۔ مایو فرنٹیر اڈمنسٹریشن کا نفاذ۔

۱۹۶۱ء ۔ برمی قومی اسمبلی کے تیسرے عام انتخابات۔

۱۹۶۱ء ۔ راغب اللہ مرحوم وغیرہ کی قیادت میں ۲۹۰ سے زائد مجاہدین کا برمی فوجی قیادت کے سامنے سارنڈر۔

۱۹۶۲ء ۔ جمہوری آئین کی معطّلی، اور اقتدار پر جنرل نے ون کی قیادت میں برمی فوج کا مکمل قبضہ۔

۱۹۶۲ء ۔ برما میں شوشل ازم کا نفاذ۔

۱۹۶۳ء ۔ نے ون کے نام نہاد قومی اسمبلی کے انتخابات۔

۱۹۶۴ء ۔ روہنگیا انڈیپنڈنٹ فورسس (RIF) کی تشکیل۔

۱۹۶۶ء ۔ مگھ شر پسندوں کی شر پسندی اور برمی بربروں کی بربریت کی وجہ سے مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۶۶ء ۔ محمد جعفر ثانی کی قیادت میں ارکان آزاد فوج (RNLP) کی تشکیل۔

۱۹۷۳ء ۔ نے ون کی قیادت میں برمی فوج اور اس کے لالے پالے غنڈوں کے مظالم، اور مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۷۳ء ۔ محمد جعفر حبیب (رحمہ اللہ) کی زیر قیادت روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تشکیل اور اعلان۔

۱۹۷۵ء ۔ جنرل نے ون کی ایماء پر مسلمانوں کی وسیع پیمانے میں گرفتاریاں اور مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۷۵ء ۔ ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) کا قیام۔

۱۹۷۷ء ۔ روہنگیا مسلم طلبہ تنظیم ''رابطۃ الطلاب المسلمین الروہانجیین کا قیام۔

۱۹۷۸ء ۔ نے ون کے نام نہاد برمی قومی اسمبلی کے انتخابات۔

۱۹۷۸ء ۔ ناگامن آپریشن، برمیوں اور مگھوں کی غارت گری، مسلمانوں کی عام گرفتاریاں، قتل عام اور ہجرت۔

۱۹۷۹ء ۔ روہنگیا جمعیت علماء (مسلح) کی زیر زمین جدوجہد کا آغاز۔

۱۹۸۲ء ۔ روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) کی تشکیل۔

۱۹۸۲ء ۔ مولانا عبد القدوس مجاہد کی امارت میں حرکۃ الجہاد الاسلامی نامی تنظیم کی جدوجہد کا آغاز۔

۱۹۸۲ء ۔ نے ون قومی اسمبلی کے اور ایک نام نہاد انتخابات۔

۱۹۸۶ء ۔ ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) کی تشکیل۔

۱۹۸۶ء ۔ مولانا عبد الحمید مجاہد کی زیر امارت ''روہنگیا اسلامی محاذ'' نامی تنظیم کی تشکیل۔

۱۹۸۶ء ۔ روہنگیا طلبہ تنظیم، اتحاد الطلاب المسلمین ارکان۔ برما۔(ITM) کی بنیاد۔

۱۹۸۸ء ۔ جنرل نیون کی اقتدار سے ہمیشہ کے لئے چھٹی، اور سین لوین کی گدی نشینی۔

۱۹۸۸ء ۔ ڈاکٹر مونگ مونگ کی چند دنوں والی حکومت۔

۱۹۸۸ء ۔ جنرل سا مونگ کی قیادت میں اقتدار پر فوج کا دوبارہ قبضہ۔

۱۹۸۸ء ۔ مولانا محمد حنیف راغب ارکانی کی قیادت میں ''اتحاد المجاہدین'' نامی تنظیم کی تشکیل۔

۱۹۸۸ء ۔ روہنگیا لیبریشن آرگنائزیشن (RLO) کا اعلان۔

۱۹۹۰ ۔ ارکانیوں کی نمائندہ جماعت ''نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی فار ہیومن رائٹ (NDPHR) کا قیام۔

۱۹۹۰ء ۔ نام نہاد انتخابات/اقتدار پر فوج کا قبضہ، جس کا سلسلہ تان شوے سے لے کر اب تا جاری ہے۔

۱۹۹۱ء ۔ روہنگیا مسلمانوں پر مظالم اور ان کی بڑے پیمانے پر ہجرت۔

۱۹۹۱ ۔ مسلمانوں کا قتل عام، وسیع پیمانے میں مسلمانوں کی گرفتاریاں، اور ان کی بڑے پیمانے پر ہجرت۔

۱۹۹۵ء ۔ روہنگیا نشنل الائنس (RNA) نامی الائنس کی تشکیل۔

۱۹۹۸ء ۔ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی تشکیل اور اعلان۔

۲۰۱۱ء ۔ ارکان روہنگیا یونین (ARU) کی بنیاد اور اعلان۔

۲۰۱۲ء ۔ مسلمانوں کا قتل عام، ہزوروں شہادت، ہزاروں ماں بہنوں کی عصمت دری، اور لاکھوں کی ہجرت۔

مصنف کی بعض مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف:

سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی	سازش کا طوفان عقلیت و مادیت کے روپ میں
روہنگیا مسلمانوں کے جانگسل المیے	تذکرۂ علامہ سید الامینؒ
تذکرۂ حضرت مولانا شاہ عبدالسلام ارکانیؒ	روہنگیا مسلمان اور ان کی ہجرت کے اسباب
ارکان کے عظیم شاعر علاول، حیات و کارنامے	ارکان روہنگیا یونین، ماضی اور حال کے تناظر میں
روہنگیا چیخ و پکار اور مطالبات (ترجمہ)	تذکرۂ رفتگان
وادئ پرخار کے گمنام مسافر	سالارِ کارواں محمد جعفر حبیبؒ
سرخیل کارواں	علماء اور جمعیۃ علمائے اسلام ارکان
روہنگیا رسم الخط کا ایک علمی اور فکری جائزہ	روداد سخن
خورشیدِ تاباں	کاروان انسانیت
سفر اور کامیابیاں	اارکان کے چند ندوی فضلاء ایک نظر میں
عظیم ارکانی لیڈران	علماء اور جمعیت علمائے ارکان
مقالاتِ طاہر ندوی	روہنگیا رسم الخط کا ایک علمی اور فکری جائزہ
مدارس اسلامیہ کا نصاب و نظام اور جدید تقاضے	دو نظام تعلیم
ارکان کے روہنگیا مسلمان موت و حیات کی کشمکش میں	ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO)
برما میں خانہ جنگی کا دور دورہ	شعرائے ارکان
تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد (۱)	تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد (۲)
تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد (۳)	تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد (۴)
تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد (۵)	تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد (۶)
تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد (۷)	تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد (۸)
تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد (۹)	تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد (۱۰)
تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد (۱۱)	تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد (۱۲)